محیؔ الدّین نوَاب

شراب خانوں میں بھانت بھانت کے پینے والے آتے ہیں کچھ ایسے بادہ خوار ہوتے ہیں جو بوتل پر بوتل لنڈھاتے ہیں' پھر بھی پیاسے رہتے ہیں اور کچھ ایسے طفلِ مکتب ہوتے ہیں جو ایک ہی چلو میں اُلو ہو جاتے ہیں۔ بس ایسے ہی ایک اُلو نے اس اجنبی کو گالی دے دی۔ اجنبی بھی نشے میں تھا' غصے کا تیز بھی تھا۔ اس نے بے دھڑک گالی دینے والے کی ناک پر ایک مکا رسید کر دیا۔

شراب خانے میں یک بیک خاموشی چھا گئی۔ اجنبی اطمینان سے اپنے مکے کو سہلا رہا تھا اور سب لوگ اس گرنے والے شرابی کو دیکھ رہے تھے' جو فرش پر ذرا دیر تڑپ کر ساکت ہو گیا تھا۔ ایک شخص نے بوتل کو پٹختے ہوئے اجنبی سے کہا۔

"کون ہو تم؟ کیا اس طرح کسی پر ہاتھ اٹھایا جاتا ہے؟"

اجنبی غراتے ہوئے اس کی طرف پلٹا کہنے والا سہم کر دو قدم پیچھے چلا گیا۔ اجنبی نے اپنی صفائی پیش کی۔

"اس نے مجھے گالی دی تھی!"

دُور شراب خانے کے کسی گوشے سے آواز آئی۔

"وہ تم سے دوستی کرنے آیا ہو گا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ شرابی اپنی دوستی کی ابتدا گالیوں سے کرتے ہیں!"

اسی اثنا میں کچھ لوگ گرنے والے کے پاس پہنچ گئے تھے ایک نے کہا۔

"اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے۔"

"یہ بولتا نہیں ہے' حرکت نہیں کرتا ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"ارے یہ۔ یہ تو مرگیا.........."

اجنبی کے دماغ میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ تمام نشہ ہرن ہوگیا۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دروازے کی جانب دیکھا۔ ایسے وقت سب سے پہلے فرار کا راستہ تلاش کیا جاتا ہے۔ ابھی تک کوئی اسے گرفت میں لینے کے لئے آگے نہیں بڑھا تھا۔ سب اس کے ڈیل ڈول کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ وہ دوچار کے بس کا نہیں ہے۔ ایک نے چیخ کر کہا۔

"تم قاتل ہو۔ پولیس کو بلاؤ!"

یک بیک وہ اچھلا اور بھاگتا ہوا شراب خانے کے دروازے سے نکلتا چلا گیا۔ راستے میں دو شرابی آئے تھے۔ اس نے دونوں کو دونوں ہاتھوں سے اس طرح ہٹادیا تھا جیسے دروازے کے دوپٹ نہایت آسانی سے کھول کر جارہا ہو۔ باہر فٹ پاتھ پر آنے کے بعد اسے اپنے پیچھے آوازیں سنائی دیں۔ "دوڑو۔ پکڑو۔ جانے نہ پائے........"

وہ اپنی آخری رفتار سے دوڑتا جارہا تھا۔ کچھ وہ دوڑ رہا تھا' کچھ شراب کی گرمی دوڑا رہی تھی اور کچھ حالات تھے' جو اسے پیچھے سے چابک رسید کررہے تھے۔ ایک موڑ پر پہنچتے ہی اس نے پلٹ کر دیکھا' دور بہت دور سے کچھ لوگ بھاگتے چلے آرہے تھے۔ ابھی وہ ان سے تقریباً پچاس گز آگے تھا۔ وہ ایک لمبی سی گلی میں گھس کر بھاگنے لگا۔ ذرا دیر بعد اس گلی میں پیچھا کرنے والوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ سامنے سے ایک ہٹا کٹا آدمی چلا آرہا تھا۔ اس نے اجنبی کو روکنے کی کوشش کی۔ پینترا بدل کر اس طرح کھڑا ہوگیا جیسے تیزی سے آنے والی گیند کو کیچ کرلے گا لیکن اجنبی بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح سر جھکائے آیا اور اپنے سر سے اس کے پیٹ میں زور کی ٹکر ماری۔ روکنے والا اچھل کر دور جاپڑا۔ راستہ صاف ہوگیا اور وہ اپنی رفتار سے بھاگتا چلا گیا۔

گلی کے آخر میں ایک کشادہ سڑک آگئی۔ ایک پبلک بس اپنے اسٹاپ سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا بس کے پائیدان پر چڑھ گیا۔ پیچھے آنے والے بدستور شور

مچارہے تھے بس اپنی رفتار پکڑ چکی تھی۔ کنڈیکٹر نے پچھلی کھڑکی سے دور شور مچانے والوں کی طرف دیکھا اور پلٹ کر ڈرائیور کو آواز دی۔

"استاد گاڑی روک دو۔ کچھ گڑ بڑ ہے.........."

اجنبی نے جھلا کر ایک الٹا ہاتھ کنڈیکٹر کو رسید کیا۔ پھر اس کا انجام دیکھے بغیر رکتی ہوئی بس سے چھلانگ لگا کر فٹ پاتھ پر آگیا۔ اب پیچھا کرنے والوں سے سو گز کا فاصلہ بن گیا تھا۔ وہ ایک اور گلی میں گھس گیا۔ نہ جانے کتنی گلیاں تھیں' کتنی شاہراہیں تھیں۔ وہ اس شہر میں اجنبی تھا۔ وہاں کے راستے نہیں جانتا تھا۔ اس کی کوئی منزل نہیں تھی۔ وہ فی الحال پیچھا کرنے والوں سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھا۔

وہ پاگل ہاتھی کی طرح بے تکی دوڑ لگا رہا تھا۔ اس کے اندر شراب پانی ہوگئی تھی۔ اب تھکن کا احساس ہورہا تھا۔ اگر کچھ دیر اسی طرح دوڑتا رہتا تو لڑکھڑا کر گر پڑتا۔ وہ چند چھوٹی چھوٹی گلیوں میں مڑتا رہا تاکہ پیچھا کرنے والوں کی نظروں سے بار بار اوجھل ہوتا رہے۔ ایک موڑ سے گزر کر اور ان کی نظروں سے اوجھل ہوکر وہ رک گیا۔ ایک بڑے سے مکان کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ فوراً ہی اس دروازے سے داخل ہوگیا۔ اندر ایک صحن تھا۔ ایک لڑکی اس کی جانب پشت کئے ایک کمرے کا دروازہ کھول رہی تھی۔ اس نے دوچار چھلانگیں لگاتے ہوئے صحن کو پار کیا۔ اس وقت تک دروازہ کھل چکا تھا۔ وہ لڑکی کو ایک ہاتھ کی گرفت میں سمیٹتا ہوا دروازے کے پار کمرے کے اندر آیا۔ پھر اس نے دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کرکے چٹخنی چڑھا دی۔

"خبردار۔ شور نہ مچانا۔ ایک دم خاموش رہنا۔"

وہ وحشت زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور اجنبی کھڑکی سے آنے والی اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بیس بائیس برس کی تھی۔ سیدھے سادے سے لباس میں ایک سیدھی سادی سی لڑکی نظر آرہی تھی۔ اجنبی اس کی کلائی پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ اس کے پردے درست کئے تاکہ باہر سے کوئی

نہ دیکھ سکے۔ پھر اس نے کلائی کو اور مضبوطی سے جکڑ کر کہا۔

"تمہاری خاموشی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔ میں اگر محفوظ رہا تو تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ ورنہ اپنے ساتھ تمہیں بھی جہنم میں پہنچا دوں گا۔"

اسی وقت صحن میں بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر کسی ہانپتے ہوئے شخص نے پوچھا۔

"کیا یہاں کوئی شخص آیا ہے؟"

"نہیں!" ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ "آپ لوگ کسے تلاش کر رہے ہیں؟"

"ایک اونچے قد کا صحت مند نوجوان ہے۔ وہ یہیں آس پاس کے کسی مکان میں جا چھپا ہے۔ آؤ ہم دوسرے مکان والوں سے پوچھیں..........."

دوسرے لمحے قدموں کی آوازیں دور ہونے لگیں۔ اجنبی اس لڑکی کو کھینچتا ہوا دروازے کے پاس آیا اور کان لگا کر آوازیں سننے لگا۔ پھر مطمئن ہو کر اس نے لڑکی کی کلائی چھوڑ دی۔ وہ اپنی کلائی کو سہلانے لگی۔ اجنبی نے دیکھا کہ جہاں سے اس نے پکڑا تھا' وہاں سے اس کی گوری جلد سرخ ہو گئی تھی۔ اب لڑکی کی آنکھوں میں پہلے جیسا خوف نہیں تھا۔ وہ اپنی کلائی کو سہلاتی ہوئی اسے نفرت سے دیکھ رہی تھی۔

اجنبی اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ اسے بے خیالی میں اور اپنی حفاظت کی دھن میں یاد نہ رہا کہ اس کی گرفت میں ایک نازک سی کلائی ہے۔ اس نے نرمی سے کہا۔

"تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے' اس کا مجھے افسوس ہے۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دروازے کی طرف اس طرح دیکھتی رہی جیسے خاموش نظروں سے اسے جانے کے لئے کہہ رہی ہو۔ اجنبی نے پوچھا۔

"ابھی جس عورت کی آواز آ رہی تھی' وہ کون ہے؟"

"اس مکان کی مالکہ ہے۔ وہ تمہیں واپس جانے سے نہیں روکے گی۔ اب تم

جاؤ۔"

"کہاں جاؤں؟ وہ لوگ ابھی باہر گلی میں ہوں گے۔ آس پاس کے مکانوں میں مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ میں ابھی نہیں جا سکتا۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر طنزیہ لہجے میں بولی۔ "کیا یہاں رات بھر رہنے کا ارادہ ہے؟ یہ کوئی مجرموں کی پناہ گاہ نہیں ہے۔"

"میں مجرم نہیں ہوں۔"

"اسی لئے لوگوں کے ڈر سے یہاں چھپنے آئے ہو۔ ایک کمزور لڑکی کی کلائی پکڑ کر اور دھمکیاں دے کر اپنی مردانگی دکھا چکے ہو۔"

وہ لڑکی کے طنز پر دانت پیستے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ وہ مزاج کا گرم بھی تھا اور نرم بھی۔ اس لئے فوراً ہی نرم پڑ گیا۔ وہ وقت ایسا تھا کہ اسے نرمی سے کام نکالنا تھا۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"میں نے مردانگی نہیں دکھائی ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ کلائی پکڑنے سے تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے' اس کا مجھے افسوس ہے۔"

"جو کچھ بھی ہے' اب میرا پیچھا چھوڑو۔ یہاں سے جاؤ۔"

"جب تک مجھے اطمینان نہیں ہو گا' میں نہیں جاؤں گا۔"

"تمہیں اطمینان کب ہو گا؟"

"جب صبح ہو گی۔"

"کیا مطلب؟" لڑکی نے گھور کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ وہ سب میرے بدترین دشمن ہیں۔ وہ گھنٹوں مجھے ان اطراف میں تلاش کرتے رہیں گے اور جب یہاں سے جائیں گے تو رات کو گشت کرنے والے سپاہیوں اور چوکیداروں کو میرا حلیہ بتا کر جائیں گے اس لئے میں رات کو کسی وقت بھی یہاں سے نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میں یہاں صبح تک رہوں گا۔"

وہ ایک دم سے بپھر گئی اور پاؤں پٹخ کر بولی۔ "تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تم ایک

لڑکی کے کمرے میں رات گزارنا چاہتے ہو۔ تم بے شرم ہو' بدمعاش ہو۔ میں ابھی تمہیں یہاں سے نکالتی ہوں۔"

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی اجنبی نے اسے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی پکڑلیا۔ اس بار لڑکی کا گداز بازو اس کی گرفت میں آیا تھا۔ وہ اسے دروازے کے پاس سے کھینچتا ہوا لایا اور بستر پر گرادیا۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ کے پنجے کو اس کی گردن پر رکھ دیا۔

وہ دہشت سے چیخ نہ سکی' چاروں شانے چت پڑی رہی۔ اجنبی کی چوڑی ہتھیلی اور کھردری انگلیاں بتا رہی تھیں کہ اس کی گردن کتنے مضبوط شکنجے میں ہے۔ اگر وہ چیخنا چاہے گی تو اس سے پہلے ہی اس کا دم گھٹ جائے گا۔

اجنبی نے دانت پیستے ہوئے بڑی سفاکی سے کہا۔ "میں اپنی حفاظت کے لئے تمہیں قتل کرسکتا ہوں اور تمہاری لاش کے ساتھ اس کمرے میں رات گزار سکتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے گردن چھوڑدی' پھر سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔

"اگر مرنا چاہتی ہو تو کسی کو آواز دو۔"

وہ بے حس و حرکت پڑی رہی۔ دہشت زدہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتی رہی کہ اس بدمعاش کی بات ماننا ہی پڑے گی۔ بات مانو تو وہ شرافت سے بات کرتا ہے' ورنہ درندہ بن جاتا ہے۔

وہ سوچ رہی تھی' اجنبی نے اسے جس حالت میں لاکر بستر پر پھینکا تھا' وہ اسی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ ساڑھی الٹ کر گھٹنوں تک آگئی تھی۔ آنچل ڈھلک گیا تھا' بلاؤز مسک گیا تھا اور سینے کی مغرور بلندیاں سانسوں کی ہلچل سے کچھ اور بلند ہو رہی تھیں۔

پھر اس نے فیصلہ کرلیا۔ دہشت ذرا کم ہوگئی اور اسے ہوش آیا کہ وہ کس حالت میں پڑی ہے۔ وہ اپنے لباس کو درست کرتی ہوئی بیٹھ گئی۔ اجنبی نے کہا۔

"جو کچھ میں پوچھوں' اس کا صحیح جواب دو۔ کیا تم یہاں کرایہ دار ہو؟"

لڑکی نے ہاں کے انداز میں سرہلادیا۔

"کیا اسی ایک کمرے کا کرایہ دیتی ہو؟"

اس نے پھر اثبات میں سرہلایا۔

"یہاں تمہارے ساتھ اور کون رہتا ہے؟"

"کوئی نہیں۔"

"تمہارے ماں باپ' بھائی بہن یا کوئی اور رشتے دار؟"

"میرا کوئی نہیں ہے۔ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔ اگر میرا کوئی ہوتا تو تمہارے جیسا بدمعاش یہاں آکر مجھ پر ظلم نہ کرتا۔"

یہ کہہ کر اس نے ساڑھی کے آنچل سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا اور رونے لگی۔ اجنبی نے سرجھکالیا۔ تھوڑی دیر تک اسے رونے کی مہلت دیتا رہا اور سوچتا رہا کہ کس طرح اس لڑکی کا اعتماد حاصل کرے۔ وہ ہیرا پھیری کا ماہر تھا' اس نے فوراً ایک لڑکی کو متاثر کرنے والی کہانی گھڑلی۔ پھر بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

"سنو' میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ تم مجھے بدمعاش اور مجرم سمجھتی ہو لیکن میں ایک شریف آدمی ہوں۔ آج میں تمہاری جیسی ایک شریف لڑکی کی عزت بچا کر اس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

لڑکی نے اپنے چہرے سے آنچل ہٹا کر آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا اجنبی نے اپنی بات کا اثر ہوتے دیکھ کر کہا۔

"آج شام کو میں ایک فٹ پاتھ سے گزر رہا تھا میں اس جگہ کا نام نہیں جانتا کیونکہ میں اس شہر میں پہلی بار آیا ہوں لیکن شہر ہو یا گاؤں' ہر جگہ عورت کی عزت آبرو کا تحفظ لازمی ہے۔ میں نے وہاں دیکھا۔ ایک غنڈہ تمہاری عمر کی ایک لڑکی کو چھیڑ رہا تھا۔ لڑکی نے اسے باتیں سنائیں تو وہ اسے زبردستی اٹھا کر لے جانے لگا۔ وہاں آس

پاس بہت سے لوگ تھے مگر کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اس غنڈے کو روک سکے۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔ وہ کس کی بیٹی تھی' کس کی بہن تھی' میں نہیں جانتا تھا۔ وہ میرے لئے پرائی تھی مگر تم کہو' کیا ایک شریف لڑکی کی عزت بچانا میرا فرض نہیں تھا!"

لڑکی نے بے اختیار اثبات میں سر ہلایا۔ اجنبی پینترے بدل بدل کر اور ہاتھ ہلا ہلا کر متاثر کرنے والے ڈرامائی انداز میں بتاتا رہا کہ اس نے کس طرح غنڈے کا مقابلہ کیا اور لڑکی کو بحفاظت اس کے گھر تک چھوڑ کر آ گیا لیکن دو گھنٹے کے بعد اس غنڈے کے آدمیوں نے اسے گھیر لیا۔ اگر وہ ایک دو ہوتے تو وہ ان کا مقابلہ کرتا مگر وہ تعداد میں زیادہ تھے اس لئے وہ اپنی جان بچا کر بھاگتا ہوا یہاں آ گیا۔ پھر اس نے اپنی داستان ختم کرتے ہوئے کہا۔

"میرا جرم یہی ہے کہ میں نے ایک شریف لڑکی کی عزت بچائی ہے اور اس کی سزا یہ مل رہی ہے کہ تم مجھے مجرم اور بدمعاش سمجھ رہی ہو اور مجھے یہاں سے نکل کر ان غنڈوں کے پاس جانے کے لئے کہہ رہی ہو کیا تمہارے شہر میں نیکی کا یہی پھل ملتا ہے؟"

وہ آنکھیں پھاڑے ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے چشمِ تصور میں وہ اجنبی ابھی تک اس غنڈے کی پٹائی کر رہا تھا اور ایک لڑکی کی عزت بچانے کے لئے کتنے ہی غنڈوں کو اپنا دشمن بنا رہا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو؟ کیا سوچ رہی ہو؟"

"آں!" وہ خیالات سے چونک گئی۔ "تم۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تم نے ایک شریف لڑکی کی عزت بچائی ہے اور غنڈے تمہارا پیچھا کر رہے ہیں؟"

"تم نے مجھے بتانے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ مجھے خواہ مخواہ مجرم سمجھتی رہی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں غلط سمجھا۔"

اجنبی خوش ہو گیا کہ لڑکی اب قابو میں آ گئی ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ

رہی تھی۔ اس کے چہرے سے خوف ڈھل گیا تھا۔ وہ قدرے مطمئن ہو کر بولی۔

"مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ تم ایک شریف آدمی ہو اور دوسری لڑکیوں کی عزت کا بہت خیال رکھتے ہو۔ میں یہاں تنہا رہتی ہوں۔ اگر تم اس کمرے میں رات گزارو گے اور اگر کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو میں مفت میں بدنام ہو جاؤں گی۔ جس طرح تم نے اس لڑکی کا خیال کیا' اسی طرح میرا خیال کرو اور اب یہاں سے چلے جاؤ۔"

اس کی اس منطق سے اجنبی بوکھلا گیا۔ جو حربہ اس نے استعمال کیا تھا وہی حربہ وہ استعمال کر رہی تھی اور اپنی عزت کا واسطہ دے رہی تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ تم یہاں رہ کر مجھے بدنام نہیں کرو گے۔ وہ غنڈے زیادہ دیر تک اس محلے میں نہیں رہیں گے اور نہ ہی نائٹ ڈیوٹی دینے والے سپاہی اور چوکیدار کو تمہارا حلیہ بتائیں گے کیونکہ وہ بدمعاش ہیں۔ پولیس ان کا ساتھ نہیں دے گی۔"

وہ ٹھوس دلائل سے ثابت کر رہی تھی کہ باہر اس کے لئے خطرہ نہیں ہے۔ اجنبی بھی ہار ماننے والا نہیں تھا۔ اس نے کہا۔

"شاید تمہیں نہیں معلوم کہ کتنے ہی پولیس کے آدمی' غنڈوں کا ساتھ دیتے ہیں اور ان سے نقدی وصول کرتے ہیں۔ اس مکان کے باہر پولیس اور غنڈوں کے درمیان کیسی کھچڑی پک رہی ہے' یہ ہم نہیں جانتے پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیسے باہر جا سکتا ہوں؟"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم یہاں سے جانا نہیں چاہتے؟" لڑکی کے تیور بدل گئے۔

"یہ جگہ کوئی جنت نہیں ہے اور تم کوئی حور نہیں ہو کہ میں یہاں رہنا پسند کروں تم میری مجبوریوں کو کیوں نہیں سمجھتی ہو؟"

وہ مجبوریوں کو کیا سمجھتی؟ اسے تو یہ سن کر غصہ آ گیا تھا کہ اجنبی اسے حور پری نہیں سمجھتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی نہیں تھی' پھر بھی حسین تھی۔

لاکھوں میں ایک نہیں تھی پر ہزاروں میں ایک ضرور تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اجنبی اس کی تعریف کرے مگر یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی توہین کرے۔ وہ تھوڑی دیر تک اسے گھورتی رہی پھر ناگواری سے بولی۔

"تم مجبور ہو تو یہاں رات بھر رہو۔ میں کسی دوسری جگہ جاکر سو جاؤں گی۔"

"تم اس کمرے سے باہر نہیں جاؤ گی۔ اگر مجھ سے صاف صاف سننا چاہتی ہو تو سنو۔ مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے۔ تم یہاں سے باہر جاکر میرے لئے مصیبت بن جاؤ گی۔"

"میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ تم مجھ پر بھروسہ کرو۔"

"جب تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرتی ہو تو پھر میں کیسے کروں؟ بہتر یہ ہے کہ مجھ سے بحث نہ کرو۔ ایک اچھی بچی کی طرح چپ چاپ سو جاؤ۔ یہ دروازہ اندر سے لاک نہیں ہوتا ہے اس لئے میں تمام رات دروازے کے پاس بیٹھا رہوں گا۔"

وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی' پھر بستر سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"میں باتھ روم جاؤں گی۔"

اجنبی نے باتھ روم کی جانب دیکھا۔ پھر اس کا راستہ روکتے ہوئے بولا۔

"ٹھہرو' پہلے میں اندر جاکر دیکھوں گا۔"

اس نے آگے بڑھ کر باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ اندر جھانک کر دیکھا پھر جلدی سے دروازہ بند کرتے ہوئے چٹخنی چڑھانے کے بعد بولا۔

"وہاں دوسری طرف دروازہ ہے۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"تم نے پوچھا نہیں' میں نے بتایا نہیں۔ یہ دو کمروں کا کامن باتھ روم ہے۔ دوسری طرف کا دروازہ دوسرے کمرے میں کھلتا ہے۔ اس کمرے میں جو لڑکی کرایہ دار ہے' وہ بھی اس باتھ روم کو استعمال کرتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکی اس کمرے میں تم سے ملنے آسکتی ہے؟"

"نہیں۔ میرا اس سے جھگڑا ہے۔ وہ یہاں نہیں آئے گی۔"

"پھر بھی میں تمہیں تنہا باتھ روم میں نہیں جانے دوں گا۔ میں بھی ساتھ جاؤں

گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ غصے سے بولی۔ "تمہیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "یہ واقعی شرم کی بات ہے مگر میں اپنے حالات سے مجبور ہوں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں کتنی شرافت سے پیش آرہا ہوں اور آئندہ بھی شرافت کا ثبوت دیتا رہوں گا۔ تم باتھ روم میں چلو میں دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑا رہوں گا۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔" وہ جھینپ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"نہ جاؤ۔ تمہاری مرضی ہے لیکن اب میں دروازے کے پاس نہیں بیٹھوں گا کیونکہ بیٹھے بیٹھے اگر نیند آگئی تو تم باتھ روم کے دروازے سے چلی جاؤ گی۔ میں بیک وقت تمام دروازوں کی نگرانی نہیں کر سکتا اس لئے ہم تمام رات ایک جگہ رہیں گے' ایک جگہ بیٹھیں گے یا ایک جگہ سوئیں گے۔"

"تت۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ گھبرا کر بیٹھے ہی بیٹھے بستر پر پیچھے کھسکنے لگی۔

"تم۔ تم صرف زبان سے شرافت کا دعویٰ کرتے ہو۔ کیا کوئی شریف آدمی کسی لڑکی سے ایسی باتیں کرتا ہے؟"

"تم ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو سمجھ لوگی کہ میں کس طرح مجبور ہو کر ایسی باتیں کر رہا ہوں۔ اس وقت میں اپنے باپ پر بھی اعتماد نہیں کر سکتا پھر تم پر کیسے اعتماد کروں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تم اس پر خاموشی سے عمل کرتی جاؤ صبح تمہیں میری شرافت کا یقین آجائے گا۔"

وہ بستر کے آخری سرے پر پہنچ کر سمٹ گئی تھی۔ کچھ شرما رہی تھی کچھ گھبرا رہی تھی اور اجنبی سے نظریں چرا رہی تھی۔ اجنبی کمرے کی ہر چیز کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کمرا اس لڑکی کا ڈرائنگ روم بھی تھا' بیڈ روم بھی تھا اور کچن بھی۔ بیڈ کے پاس ایک سنگھار میز تھی' کمرے کے وسط میں دو کرسیاں اور ایک درمیانی میز

تھی۔ جس طرف باتھ روم کا دروازہ تھا' اس دیوار کے ساتھ ایک نعمت خانہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے اندر اناج اور کھانے کے برتن تھے اور گیس کا چولہا رکھا ہوا تھا۔ اس کے اوپر لکڑی کی لانبی سی پٹی پر کیلیں جڑی ہوئی تھیں اور ان کیلوں سے چمچے اور فورکس لٹک رہے تھے۔ کمرا سامان سے بھرا ہوا تھا مگر سلیقے سے سجا ہوا تھا۔

اس نے گہری نظروں سے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد کہا۔ "مجھے ایک مضبوط رسّی کی ضرورت ہے۔"

"کیوں؟ رسّی کیا کرو گے؟" وہ پھر سہم کر اسے دیکھنے لگی۔

اس نے جواب دیا۔ "رسی کا ایک سرا تمہارے پاؤں میں اور دوسرا اپنے ہاتھ میں باندھوں گا۔ اس طرح تم میری نیند سے فائدہ اٹھا کر اس کمرے سے باہر نہیں جاسکو گی۔"

وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "خدا کے لئے مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تمہیں دھوکہ نہیں دوں گی۔"

"سنو بی بی! میں تمہاری طرح بچہ نہیں ہوں کہ تمہاری قسم کا اعتبار کروں اور دھوکہ کھاجاؤں۔ ہم زندگی کے اس طویل سفر میں دو اجنبی ہم سفروں کی طرح آملے ہیں۔ کچھ دیر ساتھ رہے گا اور بچھڑ جائیں گے اس لئے جتنی دیر میں تمہارے ساتھ رہوں' تم میرے حکم پر عمل کرتی رہو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

وہ سر جھکا کر بستر سے اٹھ گئی۔ وہ اس بات کو سمجھ رہی تھی کہ اجنبی شرافت سے کام لے رہا ہے۔ وہ اگر چاہتا تو اب تک اس کی عزت سے کھیل چکا ہوتا یا اسے خاموش رکھنے کے لئے ہمیشہ کے واسطے خاموش کرچکا ہوتا لیکن وہ شرافت کی حدود میں رہ کر جو بھی زیادتی کر رہا تھا' وہ محض اپنی حفاظت کے خیال سے کر رہا تھا۔

پلنگ کے نیچے لکڑی کا ایک صندوق تھا۔ لڑکی نے صندوق کو کھینچ کر نیچے سے نکالا اور اسے کھول کر اس میں سے رسی نکالنے لگی۔ صندوق ایک کباڑ خانہ تھا اس میں پرانے کپڑے' کتابیں اور کاپیاں اور سینے پرونے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ کپڑوں کا بخیہ

ادھیڑنے کے لئے زنگ خوردہ بلیڈوں کا ایک پیکٹ بھی تھا۔ رسی نکالتے وقت وہ ایک ذرا ٹھٹک گئی۔ فوراً ہی اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اجنبی پلنگ کے دوسری طرف کھڑا تھا۔ ان کے درمیان صندوق کا کھلا ہوا پٹ ایک پردے کی طرح حائل تھا۔ اس نے جلدی سے ایک بلیڈ اٹھا کر اپنے بلاؤز کے گریبان میں چھپا لیا۔ صندوق کو بند کر کے اسے پلنگ کے نیچے دھکیل دیا اور رسی اس کی جانب بڑھادی۔

اجنبی نے رسی لیتے ہوئے کہا۔ "کچھ کھانا پینا ہو تو کھا پی لو۔ اس رسی میں بندھنے کے بعد تمہیں خاموشی سے سوجانا ہوگا۔ اگر تم حرکت کرو گی تو میری نیند میں خلل پڑے گا۔"

"میں روٹی کھا چکی ہوں تم اپنے اطمینان کے لئے جو کرنا چاہو کرو۔ میں کمزور ہوں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

"یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم کمزور ہو۔ اگر تمہاری جگہ کوئی شہ زور ہوتا تو میں یہاں آتے ہی سب سے پہلے اس کی لاش گرا دیتا۔ بہرحال تم روٹی کھا چکی ہو میں بھوکا ہوں۔ کیا ایک کپ چائے پلا سکتی ہو؟"

"دودھ ختم ہوگیا ہے۔"

"صرف قہوہ پلا دو۔"

"چینی نہیں ہے۔"

"چینی نہ سہی' اپنے لہجے میں تو مٹھاس رکھو۔ میں بن بلایا مہمان ہوں اس لئے تمہیں مہمان نوازی پر مجبور نہیں کروں گا۔ آؤ یہاں آکر پلنگ پر بیٹھو۔"

وہ حکم کے مطابق اس کے سامنے آکر پلنگ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ اجنبی فرش پر بیٹھ گیا اور تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"ساڑھی اٹھاؤ!"

"کک۔ کیا؟" وہ گھبرا کر پیچھے کھسکنے لگی۔

اجنبی نے اس کی ٹانگ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "بھاگتی کہاں ہو۔ کیا میں تمہیں کھا جاؤں گا۔ تم ساڑھی نہیں ہٹاؤ گی تو میں تمہارے پاؤں میں رسی کیسے باندھوں گا۔"

لڑکی نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے ساڑھی کو ٹخنوں سے ذرا اوپر اٹھایا۔ وہ اس کے بائیں پاؤں میں رسی باندھنے لگا۔ وہ کچھ اس طرح کس رہا تھا اور گانٹھ لگا رہا تھا کہ لڑکی تکلیف کی شدت میں کراہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اجنبی گانٹھ لگانے کے بعد رسی کے دونوں سروں کو اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی میں لپیٹ کر گرہ لگانے لگا اس نے دائیں ہاتھ اور دانتوں کی مدد سے گرہ لگانے کے بعد کہا۔

"اب تم پلنگ پر آرام سے سو جاؤ' میں فرش پر سو رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس نکالی اور لڑکی کی طرف سے مطمئن ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔ وہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی اور پہلی بار اجنبی کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اب تک اس خیال سے سہمی ہوئی تھی کہ اجنبی اسے رسی سے باندھ کر اس کے ساتھ پلنگ پر سوئے گا۔ اگر وہ ایسی حرکت کرتا تو وہ اس کا کیا بگاڑ لیتی۔ شور مچاتی تو وہ اس کا گلا گھونٹ دیتا لیکن وہ عملی طور پر اپنی شرافت کا ثبوت دے رہا تھا۔

عورت کے سوچنے کا انداز بدل جائے تو اس کا دل بھی بدل جاتا ہے اور نگاہیں بھی بدل جاتی ہیں۔ وہ بدلتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دراصل یہ جو دنیا ہے یہ بہت اچھی ہے اور بہت بری ہے۔ نفرت کی عینک لگا کر دیکھو تو جہنم نظر آتی ہے۔ محبت کی عینک پہن کر دیکھو تو جنت بن جاتی ہے۔ اس لڑکی نے عینک بدل کر دیکھا تو وہ بے ضرر اور سیدھا سادہ سا آدمی نظر آیا۔ اونچا لمبا قد' فولادی جسم' چیتے کی سی چمکیلی آنکھیں' چہرے پر ایسی سختی تھی جیسے زندگی اپنے طمانچوں کے نشانات چھوڑتی جا رہی ہو۔ بظاہر بے حس' بے رحم درندہ نظر آتا تھا لیکن اب اس لڑکی کی زبان یہی کہتی کہ وہ ایک سیدھا سادہ سا آدمی ہے۔

اجنبی نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے پوچھا۔ "تم مجھے اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟"

"آں!" وہ چونک گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "چائے پیو گے؟"

"تم نے تو کہا تھا کہ دودھ اور چینی نہیں ہے۔"

"چینی ہے' دودھ نہیں ہے۔ میں قہوہ بنا دیتی ہوں۔"

"نہیں رہنے دو۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔ یہ سگریٹ ختم کرنے کے بعد سو جاؤں گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ایک کپ چائے پلانے سے انکار کر دیا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم میرے متعلق اب نرمی سے سوچ رہی ہو۔ اب سو جاؤ۔"

لڑکی نے دونوں پاؤں اٹھا کر پلنگ پر رکھ لئے۔ سرہانے سے ایک تکیہ اٹھا کر اجنبی کی طرف اچھال دیا۔ اجنبی نے فرش پر لیٹتے ہوئے اسے سر کے نیچے رکھ لیا۔ رسی کی لمبائی اتنی تھی کہ وہ آسانی سے اِدھر اُدھر کروٹ بدل کر سو سکتے تھے۔ لڑکی نے کہا۔

"صبح کے وقت سردی بڑھ جاتی ہے' یہ لحاف لے لو۔"

"نہیں تمہیں بھی سردی لگے گی۔ میں صبح اذان کے وقت اٹھ کر یہاں سے چلا جاؤں گا! اس وقت کوئی مجھے نہیں دیکھ سکے گا اور نہ ہی تمہیں بدنام کرے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے سگریٹ کو فرش پر رگڑ کر بجھا دیا' پھر آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے چہرے سے تھکن اور پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی ایک کمزوری یہ تھی کہ وہ دنیا جہاں کے دشمنوں سے لڑ سکتا تھا مگر نیند سے مار کھا جاتا تھا بچپن سے گہری نیند سونے کا عادی تھا۔ اسی لئے اس نے ایک رسی میں لڑکی کو اپنے ساتھ باندھ رکھا تھا کہ وہ اٹھنے کی کوشش کرے تو اس کی آنکھ کھل جائے۔

وہ بہت دیر تک پلنگ پر بیٹھی رہی اور سونے والے کو ٹکر ٹکر دیکھتی رہی۔ اجنبی خراٹے لے رہا تھا۔ اپنی شرافت کا ثبوت دے کر نہایت اطمینان سے سو رہا تھا اور اس کی یہی شرافت اسے متاثر کر رہی تھی۔

وہ آہستگی سے بستر پر لیٹ گئی۔ بائیں کروٹ میں اجنبی نظر آرہا تھا۔ دل نے پوچھا۔ "تم اسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا وہ کروٹ بدلنے لگی۔ کروٹ بدلنے کے دوران بایاں پاؤں اِدھر سے اُدھر ہوگیا۔ رسی کھنچ گئی وہ جلدی سے اٹھ کر دیکھنے لگی کہ کہیں وہ جاگ نہ گیا ہو مگر وہ بے خبر سو رہا تھا۔ اس بات کی تصدیق کر رہا تھا کہ سویا مرا ایک ہوتا ہے۔

اس کی آنکھیں خمار آلود ہو رہی تھیں۔ نیند کا خمار تھا یا نہ جانے کیسا خمار تھا۔ وہ بوجھل پلکوں کے سائے میں اسے دیکھ رہی تھی اور کچھ سوچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر بلیڈ نکالا۔ اجنبی کی طرف دیکھتی ہوئی اپنے بائیں پاؤں کے ٹخنے پر جھک گئی' پھر اس نے بلیڈ کے ریپر کو اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور ننگے بلیڈ سے ہولے ہولے رسی کو کاٹنے لگی۔

آدھی رسی کاٹنے کے بعد اس کے ہاتھ رک گئے۔ رسی کاٹنا بوجھ لگ رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا ہاتھ رسی کاٹنے سے انکار کر رہا تھا اور وہ جبراً بلیڈ چلا رہی تھی۔ ایسا کیوں ہو رہا تھا؟

اس نے پھر اجنبی کو دیکھا۔ وہ اور اجنبی دو الگ ہستیاں تھیں مگر وہ رسی انہیں ایک کر رہی تھی۔ ایک بندھن کا' ایک انجانے رشتے کی زنجیر کا احساس دلا رہی تھی۔ کون ایسی لڑکی ہے جو تصور کی زنجیر سے کسی اجنبی کو نہیں باندھتی؟ اپنے سہاگ کا اور اپنی ازدواجی زندگی کا سپنا نہیں دیکھتی؟ سب ہی دیکھتی ہیں وہ بھی رسی کو دیکھ رہی تھی۔

بلیڈ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ اپنی ٹھوڑی کو گھٹنے پر ٹیک کر ایک نئی نویلی دلہن کی طرح خیالی سہاگن کی سیج پر بیٹھ گئی۔ اس کے سر پر گھونگھٹ نہیں تھا۔ اس نے خود کو چھپانے کے لئے پلکوں کی چلمن گرالی۔ کوئی سوتے میں سپنا دیکھتا ہے' وہ جاگتی آنکھوں سے محفل سجا رہی تھی۔ یہ دنیا میں جتنے کنوارے سپنے ہیں' وہ پیش لفظ کے طور پر آتے ہیں۔ اس کے بعد محبت کی داستان شروع ہوتی ہے۔

پہاڑ جیسی رات گزرنے لگی۔ وہ بیٹھے بیٹھے سوتی رہی۔

دور کہیں رات کے سناٹے میں چوکیدار کی آواز تھراتی رہی۔ "جاگتے رہو۔ جاگتے رہو۔" وہ سوتے سوتے جاگتی رہی۔

رات کروٹ بدلنے لگی۔ اس کروٹ پر مؤذن نے آواز دی۔ "نماز نیند سے بہتر ہے۔" ہاں نیند سے بہتر ہے۔ اسی لئے وہ ساری رات جاگتی رہی' ورنہ محبت کی نماز پر حرف آجاتا۔

روشندان سے صبح کی ملگجی روشنی رینگتی ہوئی کمرے میں آنے لگی۔ پھر اچانک ہی دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ ہڑبڑا کر یوں دروازے کو تکنے لگی جیسے کوئی اجنبی کو نہیں' اسے پکڑنے آگیا ہو۔

لگن اسی کو کہتے ہیں کہ اس کا درد اپنا درد' اس کی پریشانی اپنی پریشانی' اور اس کا خوف اپنے دل کی دہشت بن جاتا ہے۔ وہ بے خبر اب تک سو رہا تھا اور اسے رت جگے کی لذت سے آشنا کر رہا تھا۔

دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ "بی بی جی۔ دودھ لو دودھ!"

اس نے اطمینان کی سانس لی۔ بلیڈ کو اٹھا کر جلدی سے رسی کاٹی' خود کو آزاد کیا اور نعمت خانے سے ایک چھوٹا سا جگ اٹھا کر دروازے پر آگئی۔ دروازے کو اس نے ایک ذرا سا کھولا۔ صرف اتنا سا کہ ایک ہاتھ باہر جائے اور دودھ لے کر واپس آجائے۔ دودھ والا جھک کر دودھ نکالنے لگا تو اس نے دونوں ٹانگیں ذرا سی پھیلا دیں۔ اسی طرح ساڑھی کا گھیر پھیل گیا اور کمرے کا فرش کا چھپ گیا۔ دودھ لیتے ہی اس نے جلدی سے دروازے کو بند کر دیا۔

پھر وہ صبح کے کام میں مصروف ہوگئی۔ گیس کا چولہا جلا کر اس پر دودھ کی دیگچی رکھی اور باتھ روم میں چلی گئی۔ وہاں سے واپس آکر اس نے دودھ چولہے پر سے اتارا' چولہے کو بجھایا اور ایک شلوار کُرتا لے کر غسل خانے چلی گئی۔ وہ آتے جاتے اس سونے والے کو دیکھ رہی تھی اور یہ سوچ کر مسکرا رہی تھی کہ وہ اپنا ہی گھر سمجھ کر

سکون سے سو رہا ہے۔ عورت کا حسن ہو یا اس کا مکان ہو' مرد اس کی کسی چیز کو اپنا سمجھ لے تو عورت کا مان بڑھ جاتا ہے۔

وہ غسل سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی۔ دوبارہ چولہے کو جلا کر اس پر چائے کے لئے پانی رکھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اجنبی کو ٹھنڈ لگ رہی ہوگی وہ پلنگ پر سے لحاف اٹھا کر اس پر ڈالنے لگی۔ وہ ذرا سا کسمسایا' کروٹ لی' پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ پہلے چند لمحوں تک وہ آنکھیں کھولے سوچتا رہا۔ صرف چند لمحے پھر اسے سب کچھ یاد آگیا۔ اس نے سب سے پہلے لڑکی کے پاؤں کو دیکھا۔ رسی نہیں تھی۔ اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ رسی کے آخری سرے کو دیکھا' پھر اس نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ ایسا غیر متوقع جھٹکا تھا کہ لڑکی ہوا کے ایک جھونکے کی طرح آئی اور اس سے پھسلتی ہوئی دوسری طرف فرش پر پہنچ گئی۔ اجنبی نے کروٹ بدل کر اس کو دبوچ لیا۔ یہ زیر ہوگئی' وہ زبر ہوگیا۔

"رسی کو کس طرح کاٹا' کیوں کاٹا؟" وہ درندے کی طرح غرایا۔

پہاڑ تلے چیونٹی خاموش تھی۔ وہ خوفزدہ نہیں تھی' خواب زدہ تھی۔ چٹان کے سائے میں میٹھے چشمے کی طرح بہہ رہی تھی۔ ایک زبان سے چپ تھی' ہزار جذبوں سے بول رہی تھی۔ وہ سن نہ سکا' سمجھ نہ سکا۔ اسے صرف اپنی حفاظت کا خیال تھا۔ وہ پھر غرایا۔

"تم سمجھ رہی تھیں کہ رسی کاٹ کر بھاگ جاؤ گی۔ میں غافل نہیں تھا۔ میں رات بھر جاگتا رہا' بار بار اٹھ کر تمہیں دیکھتا رہا۔ ابھی تم رسی کاٹ کر بھاگنا چاہتی تھیں' دیکھ لو کیسے عین وقت پر پکڑ لیا۔"

وہ زیر لب مسکرانے لگی اجنبی کو اچانک احساس ہوا کہ اس کے شکنجے میں مسکرانے والی ایک دم بدل گئی ہے۔ وہ خوفزدہ نہیں ہے۔ سونے سے پہلے جیسے دیکھا تھا' ویسی اب نہیں ہے۔ پہلے چوٹی گوندھی ہوئی تھی' اب زلفیں ساون کی گھٹاؤں کی طرح پھیلی ہیں اور بھیگی ہوئی ہیں اور لباس بدلا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بہت

پہلے سے آزاد ہو کر اس نے غسل کیا ہے' لباس بدلا ہے اور.......... اور چولہے پر چڑھی ہوئی کیتلی سے سیٹی کی آواز آنے لگی۔ یہ الارم تھا کہ پانی بہت دیر سے چڑھا ہوا ہے اور اب کھول رہا ہے۔

وہ آہستگی سے الگ ہوگیا اور فرش پر بیٹھ کر اسے گھورنے لگا۔ وہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملتے ہی وہ پلکیں جھکا کر پھر مسکرانے لگی۔ اس نے دروازے کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

"تم باہر گئی تھیں؟"

"نہیں۔ صرف دروازہ کھولا تھا۔"

"کیوں؟"

"دودھ لینے کے لئے۔"

"اگر کوئی دیکھ لیتا تو؟"

"پہلے میں بدنام ہوتی اور کوئی لڑکی جان بوجھ کر بدنام نہیں ہونا چاہتی۔"

وہ منہ پھیر کر اپنا سر کھجانے لگا۔ لڑکی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اپنا لباس درست کرتی ہوئی چولہے کے پاس آگئی۔ اس نے چائے کی کیتلی اتارتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کھاؤ گے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیا مجھ سے ناراض ہو؟"

وہ غصے سے دیکھنے لگا۔ لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آرہی تھی۔ وہ جلدی سے منہ پھیر کر بولی۔ "میں مجبور تھی۔ دودھ والا آگیا تھا۔ اگر میں آزاد ہو کر دودھ لینے نہ جاتی تو اسے تشویش ہوتی اور وہ دروازہ کھلوانے کے لئے مکان کی مالکہ کو بلا کر لے آتا۔"

"تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟" اس نے جھلا کر پوچھا۔

"تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے ہو تم مجھے دروازہ کھولنے کی اجازت نہ دیتے اس

پر بھی بات بگڑ جاتی۔ تم تو ایسے غصہ دکھا رہے ہو جیسے میں نے دشمنی کی ہے۔"

"ہاں۔ دشمنی کی ہے مجھے پھر یہاں رات تک کے لئے قید کر دیا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ منہ اندھیرے اٹھ کر چلا جاؤں گا مگر اب تو دن نکل آیا ہے جانتی ہو ابھی یہاں سے نکل کر جاؤں گا تو کیا ہو گا؟"

"کیا ہو گا؟"

"میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا پیچھا کرنے والے اب یہاں نہیں ہوں گے لیکن کسی نے اس کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تو یہی سمجھے گا کہ میں تمہارے ساتھ رات گزار کر جا رہا ہوں۔"

وہ پیالی میں چائے انڈیلتی ہوئی بولی۔ "کیا تم نے رات نہیں گزاری ہے؟ ایسے سو رہے تھے جیسے کئی راتیں جاگ کر آئے ہو۔ اب مجھے غصہ دکھا رہے ہو۔ اچھی زبردستی ہے۔"

وہ چائے کی پیالی لے کر آئی۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"شکریہ! مجھے بیڈ ٹی کی عادت نہیں ہے۔ پہلے کچھ کھاؤں گا پھر چائے پیوں گا۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تمہیں اپنے لئے کچھ پکانے کی تکلیف دے رہا ہوں۔"

"تم کہاں تک افسوس کا اظہار کرو گے۔ ایک تکلیف ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی۔ پہلی تکلیف وہ بات یہ ہے کہ تم کل رات سے یہاں قبضہ جمائے ہوئے ہو۔ دوسری یہ کہ تم نے مجھے جانور سمجھ کر رسی سے باندھ رکھا تھا تیسری یہ کہ تم میرے گھر میں سوتے رہے اور میں اپنے گھر میں جاگتی رہی۔ اب اس کے بعد کھانا پکانے کی تکلیف۔ اس کے بعد اور نہ جانے کتنی تکلیفیں دو گے۔ پھر یہ رسمی طور پر افسوس کیوں ظاہر کرتے ہو۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں' کیا تم اس کا کوئی اچھا صلہ نہیں دے سکتے۔"

"ہاں!" اس نے سرہلا کر کہا۔ "دے سکتا ہوں۔ کیا چاہتی ہو؟"

وہ پیالی لے کر نعمت خانے کی طرف جاتی ہوئی یا اس سے منہ چھپاتی ہوئی بولی۔

"کسی عورت کے ساتھ رہنے کا سلیقہ سیکھو۔ کم از کم شکریہ کہتے وقت مسکرا دیا کرو۔"

وہ گردن جھکا کر پھر سر کھجانے لگا اس نے چولہے کے پاس سے گھوم کر دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مجھے تقدیر یہاں کھینچ لائی ہے ورنہ آج تک میں کبھی کسی عورت کے اتنے قریب نہیں رہا۔ تم کہتی ہو تو اب مسکراتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے بتیسی نکال دی۔ وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"یہ ٹھیک ہے' اس دنیا میں ہر چیز کا لین دین پیسوں سے ہوتا ہے ایک مسکراہٹ ایسی چیز ہے جسے ہم مفت دے سکتے ہیں مگر کچھ لوگ اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں میں تمہیں نہیں کہہ رہی ہوں۔ تم نے تو پوری بتیسی نکال دی ہے۔"

وہ مسکراتا ہوا باتھ روم میں چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے چولہے پر سالن چڑھایا۔ بستر کو درست کیا۔ کمرے کی صفائی کی پھر بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ اس دوران وہ ہولے ہولے گنگناتی رہی اور کبھی کبھی زیر لب مسکراتی رہی۔ زندگی میں ہلکی ہلکی تبدیلیاں ہوتی ہیں تو فوراً ہی اس کا احساس نہیں ہوتا اسے بھی اس بات کا احساس نہیں تھا کہ وہ بے اختیار کیوں گنگنا رہی ہے۔

وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا اور باتھ روم کے دروازے کی چٹخنی چڑھادی۔ اس نے چولہے پر سے سالن اتارتے ہوئے کہا۔

"سالن تیار ہے۔ میں تندور سے روٹیاں لے کر آتی ہوں۔ کہو تو جاؤں؟"

اس نے دروازے کو دیکھا۔ کچھ سوچا' پھر مسکرا کر جیب سے پانچ روپے کا ایک نوٹ نکالتے ہوئے بولا۔

"جاؤ۔ میرے لئے ایک اخبار' ایک کے ٹو کا پیکٹ لے آنا۔ اس میں سے روٹیوں کے لئے پیسے بھی دے دینا۔"

"مہمان سے روٹیوں کے پیسے نہیں لئے جاتے۔ میں تمہاری ضرورت کی چیزیں لے آؤں گی۔" اس نے پانچ کا نوٹ لے لیا۔ پھر تالا چابی اٹھا کر بولی۔ "تم اندر سے چٹخنی نہ لگانا۔ میں باہر سے تالا ڈال کر جا رہی ہوں۔"

وہ دروازے کے پاس آئی' اسے مسکرا کر دیکھا' پھر باہر جاکر دروازے کو بند کردیا۔

وہ تنہا کمرے میں کھڑا رہا اور سر جھکائے کچھ سوچتا رہا۔ اس کے چہرے کی پریشانی بتا رہی تھی کہ وہ اپنی میزبان اور محسنہ کے متعلق نہیں سوچ رہا ہے اگر محسنہ کے متعلق سوچتا تو ذرا حسن ادا سے سوچتا۔ چہرے پر مسکراہٹ اور ہونٹوں پر گنگناہٹ ہوتی۔ اس کی بے حسی کہہ رہی تھی کہ وہ صرف اپنے متعلق سوچ رہا ہے۔ جب سے وہ یہاں آیا ہے' اپنی ہی ذات میں ڈوبا رہا ہے' اپنی ہی پریشانیوں میں الجھا رہا ہے۔ پچھلی رات سے وہ لڑکی کے ساتھ تھا مگر اپنے آپ میں تنہا تھا۔ جب اپنے ہاتھوں سے ایک انسان کی زندگی ختم ہوجائے اور قتل کا مجرم بن جائے تو اس دنیا کی تمام رنگینیاں پھیکی پڑ جاتی ہیں اور کوئی حسین ترین لڑکی نگاہوں کے سامنے رہ کر بھی دکھائی نہیں دیتی۔ کسی جذبے کو کسی احساس کو نہیں چھوتی۔ بس وہ بے تکا گھونسہ یاد آتا ہے۔ بے تکا اس لئے کہ آج تک اس نے کبھی یہ نہیں سنا تھا کہ آدمی صرف ایک گھونسے سے بھی مر سکتا ہے۔

وہ روٹیاں لے کر واپس آئی تو اس نے سب سے پہلے اخبار ہاتھ میں لیا اور اسے کھول کر جرائم کی خبریں تلاش کرنے لگا۔ لڑکی نے کچھ کہا تھا لیکن اس کے کان نہیں سن رہے تھے۔ وہ اخبار کے صفحات میں گم ہوگیا تھا۔ آخری صفحے میں جرائم کی چھوٹی بڑی خبریں تھیں مگر اس شراب خانے کا کوئی ذکر نہیں تھا' جہاں وہ ایک شرابی کو ہلاک کر آیا تھا۔

اس نے جھلا کر اخبار کو ایک طرف پھینک دیا۔ لڑکی نے فرش پر پڑے ہوئے اخبار کو دیکھا پھر تعجب سے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ تم سے مطلب؟ تم اپنے کام سے کام رکھو یہ اخبار والے پیسے لوٹتے ہیں۔ کبھی کوئی کام کی خبر شائع نہیں کرتے۔ شہر میں کوئی قتل ہوجائے' تب بھی لیڈروں

کے بیانات سے صفحات سیاہ کردیتے ہیں۔"

"کیا شہر میں کوئی قتل ہوگیا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"تم نے پھر بکواس کی؟"

یک بیک اسے احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ لڑکی کو غصہ دکھا رہا ہے۔ وہ تو اپنے ہاں اسے روک کر احسان کر رہی تھی۔ باہر جاکر نہ جانے وہ کس مصیبت میں مبتلا ہوجاتا۔ یہ تو یقینی بات تھی کہ پولیس والے اسے تلاش کر رہے ہوں گے۔

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اپنی محسنہ کا مسکرانے والا سبق یاد آیا۔ اس نے بے اختیار بتیسی نکال دی۔ لڑکی حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ بلاوجہ غصہ کرتے ہو' بلاوجہ مسکراتے ہو؟"

"وہ میں۔ میں بھول گیا تھا کہ تم نے مسکرانے کے لئے کہا ہے۔"

وہ ہنستی ہوئی نعمت خانے کی طرف گئی۔ وہاں سے سالن کی پلیٹ اور روٹیاں لاکر دو کرسیوں کے درمیان ایک میز پر رکھتی ہوئی بولی۔

"آؤ کھانا شروع کرو ورنہ سالن ٹھنڈا ہوجائے گا۔"

وہ ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ میز کی دوسری طرف کرسی خالی تھی۔ لڑکی اس انتظار میں کھڑی تھی کہ وہ اسے بیٹھنے اور اپنے ساتھ کھانے کے لئے کہے گا لیکن اس نے ایسی لاپرواہی سے کھانا شروع کردیا تھا جیسے اس کے آس پاس کسی کا وجود نہ ہو۔ وہ چڑ کر بولی۔

"کیا جنگل سے آئے ہو؟ کبھی دوسروں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھاتے ہو؟"

"نہیں۔ دوسروں کے آگے میں گھاس نہیں ڈالتا اور میرا کوئی اپنا نہیں ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے' خود کو اتنی بڑی دنیا میں تنہا پایا ہے۔"

وہ ہمدردی سے اسے دیکھنے لگی۔

"پھر بھی انسانوں کی دنیا میں رہتے ہو' کچھ تو طور طریقے سیکھنے کی کوشش کرو۔"

ٹھہرو۔ ہاتھ روکو۔ اب ایک لقمہ بھی نہ اٹھانا پہلے مسکرا کر مجھے یہاں بیٹھنے اور اپنے ساتھ کھانے کے لئے کہو۔"

"میرے کہنے یا نہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے' تمہاری روٹیاں ہیں۔ تمہیں بھوک لگے گی تو تم خود کھالو گی۔"

"میں کھاؤں گی مگر تمہیں اخلاقاً مجھے اپنے ساتھ بیٹھنے کے لئے کہنا چاہئے۔"

اس نے نفی میں سرہلا کر کہا۔ "نہیں روٹی ایک ایسی چیز ہے جسے دیکھ کر کتا بھی آجاتا ہے۔ تم انسان ہو۔ آجاؤ۔"

وہ ایک دم سے جھلا گئی۔ ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر اسے غصے سے دیکھتی رہی۔ پھرپاؤں پٹختی ہوئی پلنگ پر جاکر بیٹھ گئی۔

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم بھوکی نہیں ہو۔"

"ہاں۔ میں تمہاری طرح بھوکی نہیں ہوں۔ مجھے نیند آرہی ہے۔ پچھلی تمام رات جاگتی رہی۔ تم کیا جانو۔ تم کسی کی نیند کو سمجھتے ہو نہ بھوک کو۔"

وہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر بستر پر لیٹ گئی۔ اجنبی خاموشی سے کھاتا رہا۔ اس وقت کھانے کے سوا اسے کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ لڑکی نے دو ایک بار کروٹیں بدل کر اسے دیکھا' پھرناگواری سے منہ پھیر کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

اجنبی کھانے کے بعد چولہے کے پاس آیا۔ اسے سلگا کر چائے گرم کی' پھراسے پیالی میں ڈال کر واپس کرسی پر آگیا اور ایک سگریٹ سلگا کر اطمینان سے چائے پینے لگا۔

لڑکی سوگئی تھی۔ وہ اپنی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے شراب خانے کا منظر گھوم رہا تھا۔ اس کے سامنے شرابی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہ بھاگ رہا تھا' لوگ دوڑ رہے تھے' اسے پکڑنا چاہتے تھے' قانون کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ کبھی وہ گرفتاری کے خوف سے پریشان ہو رہا تھا اور کبھی دل کو تسلیاں دے رہا تھا کہ جس شرابی کو اس نے گھونسہ مارا ہے' وہ مرا نہیں ہے جن لوگوں نے اس کی موت کی تصدیق کی تھی' وہ نشے میں تھے۔ وہ مرا نہیں تھا۔ اگر وہ مرجاتا تو اخبار میں وہ خبر

ضرور شائع ہوتی اور مفرور قاتل کی تلاش کا ذکر بھی ہوتا مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

وہ بہت دیر تک مختلف خیالوں میں الجھتا رہا اور خود کو یقین دلاتا رہا کہ اس نے کسی کو ہلاک نہیں کیا ہے۔ پھر وہ تھکے ہوئے انداز میں فرش پر آکر لیٹ گیا۔ خود کو قاتل نہ سمجھنے کے باوجود اس میں باہر جانے کی جرأت نہیں تھی۔

شام کو عصر کی اذان کے وقت لڑکی کی آنکھ کھلی۔ پہلے چند لمحوں تک وہ ہمیشہ کی طرح خود کو تنہا سمجھتی رہی۔ پھر خراٹے کی آواز سن کر وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ اجنبی فرش پر سو رہا تھا۔ یعنی پھر اپنی شرافت کا ثبوت دے رہا تھا۔ وہ چاہتا تو پلنگ پر آکر سو سکتا تھا' اسے پریشان کر سکتا تھا لیکن وہ ایسی کوئی بات نہیں سوچتا تھا۔ وہی خواہ مخواہ سوچتی رہتی تھی۔ اس بار جو وہ اجنبی کو دیکھ رہی تھی تو اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی چھپی چھپی سی شکایت تھی۔ اگرچہ ہر لڑکی چاہتی ہے کہ مرد شریف ہو مگر یہ بھی نہیں چاہتی کہ حد سے زیادہ شریف ہو۔ سچی بات تو یہ تھی کہ وہ دل پر بوجھ بن گیا تھا۔ کسی نتیجے تک نہیں پہنچ رہا تھا۔ نہ اپنائیت کا اظہار کرتا تھا' نہ غیریت برت کر یہاں سے جارہا تھا۔

وہ بستر سے اتر کر بوجھل قدموں سے غسل خانے میں گئی اور منہ ہاتھ دھونے لگی۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈالنے کے بعد دماغ پر چھائی ہوئی دھند چھٹنے لگی۔ اس نے سوچا کہ جب کوئی اس کی عزت کا پاس کرتا ہے تو اسے بھی اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اب شام ہو رہی ہے' وہ دو تین گھنٹے کا مہمان ہے' اندھیرا ہوتے ہی چلا جائے گا۔

اس کے چلے جانے کے خیال سے اداسی چھاگئی۔ اس نے غسل خانے سے نکل کر اسے دیکھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور پلنگ سے ٹیک لگا کر سگریٹ سلگا رہا تھا۔ پھر اس نے دھواں چھوڑتے ہوئے اسے دیکھا۔ ذرا دیر کے لئے نظریں ملیں۔ یہ مسکرائی' اس نے بھی سبق دہرایا اور سگریٹ کا دوسرا کش لگانے لگا۔

"چائے پیو گے؟"

"ہاں!"

اس نے تولیے سے منہ ہاتھ پونچھنے کے بعد چائے کے لئے چولہے پر پانی چڑھایا۔ پھر جھوٹے برتن دھونے کے لئے غسل خانے میں چلی گئی۔ واپس آکر اس نے پوچھا۔

"یہاں سے نکل کر کہاں جاؤ گے؟"

"میں خود نہیں جانتا کہ کہاں جاؤں گا۔ کہیں ایک چھوٹا سا کمرہ کرائے پر حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"تم کیا کرتے ہو؟"

وہ جواب نہ دے سکا۔ جو کچھ وہ کرتا تھا' اسے بتانا نہیں چاہتا تھا سوال سے بچنے کے لئے اس نے سوال کیا۔

"تم کیا کرتی ہو؟"

"اسٹائلو میں کام کرتی ہوں۔ صدر کے پاس جو لکی اسٹار ہوٹل ہے نا' اس کے ساتھ ہی وہ کارخانہ ہے وہاں میں نئے نئے لباسوں کے ڈیزائن تیار کرتی ہوں۔ کیا تم بھی ملازمت کرتے ہو؟"

پھر وہی سوال۔ اس نے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم کب سے تنہا زندگی گزار رہی ہو؟"

"چھ سال سے۔ جب میں پندرہ برس کی تھی تو میری امی کا انتقال ہوگیا۔ اب میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اگر میرے پاس یہ ہنر نہ ہوتا تو نہ جانے میں کہاں بھٹکتی رہتی۔ اس شہر میں مجھ جیسی بہت سی لڑکیاں ہیں جو ملازمت کرتی ہیں' تنہا رہتی ہیں اور ایک خوشگوار گھریلو زندگی گزارنے کے خواب دیکھتی ہیں۔ بعض اوقات تنہائی ہمیں ڈسنے لگتی ہے۔"

اس نے اشارتاً بہت کچھ کہہ دیا مگر اجنبی صرف زبان سے باتیں کر رہا تھا۔ دماغ اپنی اُلجھنوں میں مبتلا تھا۔ وہ چائے کی دو پیالیاں لے کر آئی۔ ایک پیالی اس کی جانب بڑھاتی ہوئی بولی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے پیالی لی اور چائے کی چسکی لینے لگا۔

لڑکی اس کے سامنے فرش پر بیٹھ گئی۔ اس نے بھی چائے کی ایک چسکی لی۔ خاموشی اچھی نہیں لگتی۔ اس نے پوچھا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ کیا کرتے ہو؟"

وہ پیالی فرش پر رکھتے ہوئے بولا۔ "عورتوں کی یہی بات بُری لگتی ہے۔ جس بات کے پیچھے پڑ جاتی ہیں' اسے معلوم کرکے ہی رہتی ہیں۔ بھئی میں مرد ہوں۔ ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔ سمجھ لو کوئی نہ کوئی دھندا کرتا ہوں۔"

"کون سا دھندا؟"

"بس یہی۔ کچھ بھی سمجھ لو۔ ہر دھندے میں اِدھر کا مال اُدھر ہوتا ہے۔"

"تمہارے دھندے کا کوئی نام تو ہوگا؟"

اجنبی نے گہری سانس لے کر پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہاں سے تاش کا ایک پیکٹ نکالا۔ پیکٹ کھول کر اس میں سے تاش کی گڈی نکالی' پھر اپنے مطلب کے پتے چھانٹنے لگا۔

لڑکی بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے تین پتے نکالے.......... بادشاہ' بیگم اور غلام۔ اس نے تینوں پتے فرش پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں یہی کرتا ہوں۔ بیگم اندر' بادشاہ باہر' بادشاہ اندر بیگم باہر' آؤ اپنی قسمت آزمالو.......... اور قسمت آزمانے والے راہگیر رک جاتے ہیں۔ ان تین پتوں میں الجھتے ہیں اور اپنی جیبیں خالی کرکے چلے جاتے ہیں۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کی باتیں کانوں کی بجائے آنکھوں سے سن رہی ہو۔ پھر وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔

"مم.......... مگر یہ تو نوسربازی ہے۔ تم لوگوں کو دھوکا دیتے ہو؟"

"کون کہتا ہے کہ میں دھوکا دیتا ہوں۔ میں ایمانداری سے کھیلتا ہوں۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ اس میں ایمانداری نہیں ہوتی۔ یہ سراسر بے ایمانی کا کھیل ہے۔"

"تم نے غلط سنا ہے۔ یہ دیکھو میں دکھا رہا ہوں۔"

اس نے فرش پر تینوں پتے سیدھے رکھ دیئے اور اس سے پوچھا۔

"تم پتے پہچانتی ہو نا؟ یہ بادشاہ ہے' یہ بیگم ہے اور یہ غلام............"

"ہاں میں پہچانتی ہوں۔"

"کیا خاک پہچانو گی۔ کمرے میں اندھیرا پھیل رہا ہے۔ پہلے لائٹ آن کرو۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سوئچ بورڈ کے پاس گئی۔ رات اپنے سیاہ پَر کھول رہی تھی۔ اس نے لائٹ آن کردی اور یہ سوچتی ہوئی اس کے پاس دوبارہ آبیٹھی کہ چلو کھیل کے بہانے وہ تھوڑی دیر رکا رہے گا۔ اجنبی نے کہا۔

"تم اچھی طرح دیکھ لو کہ بیگم کہاں ہے۔ میں ابھی پتے الٹ دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے بیگم کا پتا پہچان لیا ہے۔"

اجنبی نے دو پتے اپنی دائیں ہتھیلی پر رکھے۔ ایک پتا بائیں ہتھیلی پر رکھا پھر بڑی پھرتی سے دونوں ہتھیلیوں کو فرش پر مارتے ہوئے بولا۔

"بادشاہ غلام اندر' بیگم باہر کرو۔"

اس نے فرش پر سے ہتھیلیوں کو اٹھایا۔ لڑکی کے سامنے تین پتے اوندھے پڑے تھے۔ وہ بڑے غور سے ان پتوں کو دیکھتی رہی' سوچتی رہی۔ پھر اس نے ایک پتے پر انگلی رکھ دی۔

"یہ بیگم ہے۔"

اجنبی نے اس کے بتائے ہوئے پتے کو الٹ دیا۔ وہ غلام تھا۔

"دیکھو' میں نے ایمانداری سے تمہیں پتے دکھائے تھے۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے انہیں ہتھیلیوں پر رکھا تھا اور تمہارے سامنے انہیں فرش پر الٹ دیا تھا۔ بتاؤ میں نے بے ایمانی کی تھی۔ اگر تم شرط لگاتیں اور ہار جاتیں تو اس میں میرا کیا قصور

ہوتا؟"

لڑکی نے قائل ہو کر کہا۔ "اس طرح تو یہ واقعی ایمانداری کا کھیل ہے۔ دراصل میں نے توجہ نہیں دی تھی۔ پھر کھیلو اب کے میں بتادوں گی۔"

"کون سا پتا بتاؤ گی؟"

"وہی بیگم!"

اجنبی نے پھر اسی طرح پتے ہتھیلیوں پر رکھے اور انہیں فرش پر الٹ دیا۔ لڑکی نے ایک پتے کی طرف اشارہ کیا مگر وہ بیگم کا پتا نہیں تھا۔

"میں دو تین بار اور کھیلتا ہوں' تم غور سے دیکھو۔"

وہ بار بار ہاتھ کی صفائی دکھانے لگا چوتھی بار لڑکی نے اس کی چالاکی سمجھ لی اور ٹھیک اس نے بیگم کا پتا باہر کردیا۔ دراصل بیگم کا جو پتا تھا اس کا ایک کونہ بالکل ذرا سا مڑا ہوا تھا۔ اتنا ذرا سا کہ بہت غور سے دیکھنے پر نظر آتا تھا اور لڑکی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ پانچویں بار اس نے اسی شناخت کے ذریعے بیگم کو باہر کیا۔ پھر ہنستی ہوئی بولی۔

"اگر تم مجھ سے کھیلو گے تو اپنی جیب کی ساری رقم ہار جاؤ گے۔"

"دو بار جیت گئی ہو' مجھے چیلنج کر رہی ہو۔ مجھ سے جیتنا کھیل نہیں ہے۔"

"دیکھو ڈینگیں نہ مارو۔ سچ کہتی ہوں تم ہار جاؤ گے۔"

اجنبی نے پتوں کو زمین پر پھینک کر کہا۔

"تو پھر نکالو رقم۔ سامنے رکھو۔ جتنی رقم رکھو گی' جیتنے پر اس سے دوگنا پاؤ گی۔"

لڑکی نے اسے نہیں بتایا تھا کہ وہ بیگم کے پتے کو کس طرح پہچاننے لگی ہے۔ اسے پورا یقین تھا کہ جب بھی وہ بیگم پر پیسہ لگائے گی' اس سے دوگنا جیت لے گی۔ یہ کھیل دیر تک جاری رہے گا۔ دلچسپی رہے گی۔ اجنبی کا ساتھ رہے گا۔ جب وہ جائے گا تو جیتی ہوئی ساری رقم اسے لوٹا دے گی۔

وہ وہاں سے اٹھ کر اپنا پرس لے آئی اور اسے کھولتی ہوئی بولی۔ "پرسوں میری تنخواہ ملے گی۔ میرے پاس صرف یہ دس روپے ستر پیسے ہیں مگر جیتنا تو مجھے ہی ہے۔"

"جب جیتنے کا اتنا ہی یقین ہے تو لگادو پورے دس روپے۔ تمہیں بیس روپے مل جائیں گے۔"

اس نے اپنی جیب سے بیس روپے نکال کر سامنے رکھ دیئے۔ لڑکی نے تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر کہا۔

"دیکھو' بھاری رقم لگاؤ گے تو چٹکی بجا کر تمہاری جیب خالی کردوں گی۔"

"دیکھا جائے گا میں کسی کی دھمکی میں نہیں آتا۔ بولو کون سا پتا؟"

"بیگم میرے لئے لکی ہے۔"

اجنبی نے اسی طرح ہتھیلی پر پتے سجائے' پھر دونوں ہتھیلیوں کو فرش پر اوندھا دیا۔

"بادشاہ غلام اندر' بیگم باہر کرو۔"

تینوں پتے فرش پر اوندھے پڑے تھے۔ پشت کی جانب سے ایک جیسے تھے مگر وہ بیگم کے پتے کو پورے باون پتوں میں بھی پہچان سکتی تھی' اس پر اس نے انگلی رکھ دی۔

اجنبی نے ایک قہقہہ لگایا اپنے بیس روپے اور اس کے دس روپے اٹھائے اور اس کے بتائے ہوئے پتے کو الٹ دیا۔ وہ بادشاہ تھا۔

لڑکی کا منہ لٹک گیا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔

"مگر۔ یہ۔ یہ کیسے ہوا؟ پہلے تو بیگم کے پتے کا کونہ مڑا ہوا تھا۔ اب وہ سیدھا ہوگیا ہے اور دوسرے پتے کا کونہ مڑ گیا۔"

اجنبی نے لاپرواہی سے شانے اچکا کر کہا۔ "مجھے کیا معلوم۔ میں تو تمہاری آنکھوں کے سامنے پتے اٹھاتا ہوں اور تمہارے سامنے انہیں زمین پر رکھتا ہوں۔ کسی بھی پتے کا کونہ موڑنے کے لئے انگلی بھی نہیں لگاؤں گا۔ تم اپنے ہاتھ سے یہ پتے اٹھا کر میری ہتھیلیوں پر رکھ دینا' پھر تو تمہارا شبہ دور ہوجائے گا۔"

"ہاں!" وہ سرہلا کر بولی۔ "مگر میرے پاس تو صرف ستر پیسے رہ گئے ہیں۔ مجھے

کچھ ادھار دو۔"

"کھیل میں ادھار نہیں ہوتا۔ یہ ستر پیسے لگاؤ اور ایک سو چالیس پیسے جیت کر لے جاؤ۔"

لڑکی نے غصے سے اسے دیکھا' پرس سے ستر پیسے نکالے اور اس کے سامنے رکھتی ہوئی بولی۔ "چلو ہاتھ پھیلاؤ۔"

اجنبی نے اس کے سامنے دونوں ہتھیلیاں پھیلادیں۔ لڑکی نے بائیں ہاتھ پر بیگم کو رکھا اور دائیں ہتھیلی پر بادشاہ اور غلام کو رکھا۔ وہ دیکھ رہی تھی' بادشاہ کے پتے کا کونہ اسی طرح مڑا ہوا تھا اس نے کہا۔

"اب میں بادشاہ کو باہر کردوں گی۔"

اجنبی نے تنبیہہ کے طور پر کہا۔ "اچھی طرح دیکھ لو۔ پتے تمہارے سامنے ہیں میری ہتھیلیاں تمہارے سامنے ہیں۔ میں نے انہیں انگلی تک نہیں لگائی ہے۔ اب نہ کہنا کہ میں پتوں کے کونے موڑ دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ہتھیلیوں کو زمین پر اوندھا دیا اور دوسرے لمحے وہاں سے ہاتھ ہٹا لئے۔ لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پچھلی بار بیگم کا پتہ جب تک تمہاری ہتھیلی پر تھا' اس کا کونہ مڑا ہوا تھا۔ زمین پر آتے ہی اس کا کونہ سیدھا ہوگیا اور بادشاہ کے پتے کا کونہ مڑ گیا تم اسی وقت چالاکی کرتے ہو جب زمین پر ہاتھ مارتے ہو' لہٰذا اس بار بھی تم نے دھوکا دینے کے لئے یقیناً کسی دوسرے پتے کا کونہ موڑ دیا ہے۔ اب میں دھوکا نہیں کھاؤں گی۔ یہ دیکھو یہ جو مڑے ہوئے کونے کا پتا ہے' اس کے ساتھ والا بادشاہ ہے' اسے الٹ دو۔"

اجنبی نے ایک ہاتھ سے ستر پیسے اٹھائے اور دوسرے ہاتھ سے پتے کو الٹ دیا۔ وہ غلام تھا۔

لڑکی مرجھا گئی۔ بادشاہ کے پتے کا کونہ بدستور کھڑا ہوا تھا۔ اجنبی نے سیدھا نہیں کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہمارے سامنے جو کھیلتے ہیں' وہ چالاک بن کر ہمارے ہاتھوں کو اور ہمارے پتوں کو دیکھتے ہیں اور ہم ان کی نظروں کو دیکھتے ہیں۔ میں تمہاری نظروں کو تاڑ رہا تھا۔ پہلی بار تم نے بیگم کے مڑے ہوئے پتے کو دیکھا تھا جو سیدھا ہو گیا۔ دوسری بار تم نے بادشاہ کو دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ تم ہوشیار ہو گئی ہو اس لئے میں نے بادشاہ کے پتے کو اسی طرح مڑا ہوا چھوڑ دیا۔"

"یہ سراسر دھوکا ہے۔"

"نہیں۔ تم بھی چالاک بن کر کھیل رہی تھیں' میں بھی چالاکی دکھا رہا تھا۔ یہ دماغ کا کھیل ہے۔ ایک دوسرے کی نظروں کو پہچاننے کا کھیل ہے۔ جو پہچان لیتا ہے' وہ جیت جاتا ہے۔"

"لیکن تم پتوں کے کونے کس طرح موڑ لیتے ہو اور سیدھا کر لیتے ہو؟"

اجنبی نے بادشاہ کا پتا اپنی ہتھیلی پر رکھا۔ اس کا کونہ مڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

"جب میں اس پتے کو زمین پر ماروں گا تو اس کا مڑا ہوا کونہ میری ہتھیلی اور فرش کے درمیان آکر خود بخود سیدھا ہو جائے گا اسے سیدھا کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔"

اس نے زمین پر ہتھیلی ماری اور ہاتھ ہٹا لیا۔ اس کا کونہ سیدھا ہو گیا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ لڑکی نے پوچھا۔

"اب بتاؤ کونہ کس طرح موڑتے ہو؟"

"بتاتا ہوں۔ کوئی پتا میری ہتھیلی پر رکھو۔"

لڑکی نے بیگم کا پتا اٹھا کر پہلے اچھی طرح دیکھا' اس کے تمام کونے سیدھے تھے۔ وہ پتا اس نے کھلی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اجنبی نے انگلی سے فرش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھو۔ یہ ایک چھوٹا سا کنکر بہت دیر سے تمہارے سامنے پڑا ہوا ہے۔ تم نے شاید یہ سمجھا ہے کہ فرش کی صفائی نہیں کی ہے اس لئے کنکر کہیں سے آپڑا ہے

لیکن یہ میرے تاش کے پیکٹ میں ہمیشہ رہتا ہے اور یہی پتوں کے کونے موڑتا ہے۔ میرا نشانہ اتنا سچا ہے کہ میں جس پتے کو چاہوں' اس کا کونہ اس کنکر پر مارتا ہوں۔ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا۔ اس کنکر سے لگتے ہی کونہ مڑ جاتا ہے۔ یہ دیکھو۔"

اس نے ہتھیلی زمین پر ماری۔ واقعی اس کا نشانہ سچا تھا۔ ہاتھ ہٹاتے ہی اس کا کونہ مڑا ہوا نظر آیا۔ وہ ناراض ہو کر بولی۔

"تم نے تو کہا تھا کہ تم ایمانداری سے کھیلتے ہو مگر یہ تو کھلا فریب ہے تم پکے نوسرباز ہو۔"

اجنبی نے تاش کے پتوں اور کنکر کو پیکٹ میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "جو لوگ جیت جاتے ہیں وہ اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں اور جو ہار جاتے ہیں' وہ اسے دھوکا فریب' بے ایمانی اور نوسربازی کہتے ہیں۔ تم بھی کوئی نئی بات نہیں کہہ رہی ہو۔"

"مگر میں تو کوئی جوا نہیں کھیل رہی تھی۔ محض تفریح کے لئے دلچسپی لے رہی تھی۔"

"جب دو کھلاڑیوں کے درمیان پیسے آجاتے ہیں تو پھر وہ تفریح نہیں ہوتی' وہاں ہاتھ کی صفائی ہوتی ہے اور قسمت اپنا فیصلہ سناتی ہے۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میں جواری نہیں ہوں۔ ہاتھ کی صفائی نہیں جانتی ہوں۔ تمہیں یہ سوچنا چاہئے کہ ہم کل سے دوستانہ ماحول میں وقت گزار رہے ہیں۔ تمہاری خاطر آج میں کام پر نہیں گئی۔ میں نے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کی ہے' تمہیں پناہ دی ہے اور تم ہو کہ پکے جواریوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر پلنگ پر بیٹھ کر جوتے پہنتے ہوئے بولا۔

"سنو بی بی! جوا دشمن نہیں کھیلتے' دو دوست ہی آپس میں کھیلتے ہیں اور ہارتے جیتتے رہتے ہیں۔ جیتنے والا ہارنے والے دوست کو رقم واپس نہیں کرتا۔ یہ دستور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "تو۔ تو۔ میری رقم تم واپس نہیں کرو گے؟"

"نہیں!"

"میں کل تک اپنا خرچ کیسے چلاؤں گی۔ خدا کی قسم اب میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔"

"یہ تمہیں تاش کے پتوں پر پیسہ لگاتے وقت سوچنا چاہئے تھا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

وہ جبراً مسکراتی ہوئی بولی۔ "مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ تم یہ سب کچھ سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔ اگر یہ مذاق ہے تو اب اسے ختم کرو۔ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہورہا ہے۔ نہ جانے کیوں میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

وہ بڑی بے نیازی سے چلتا ہوا دروازے تک گیا۔ پھر دروازے کی چٹخنی گرانے کے بعد پلٹ کر بتیسی نکال دی۔

"تم نے اپنی مہربانیوں کے صلے میں مسکراہٹ مانگی تھی۔ اگر یہاں رہنے اور کھانے پینے کے پیسے مانگتیں تو وہ بھی دے دیتا تمہاری رقم اس لئے واپس نہیں کرسکتا کہ یہ قماربازی کے اصول کے خلاف ہے۔ واقعی مسکرانے کا پیسہ نہیں لگتا ہے۔ تم بہت اچھی ہو تم نے اپنی مہربانیوں کا انمول صلہ مانگ کر مجھے سستا چھوڑ دیا ہے شکریہ!"

وہ باہر چلا گیا۔ دروازہ بند ہوگیا۔

وہ یک بیک لڑکھڑا کر پیچھے گئی جیسے کلیجے پر زور کا گھونسہ پڑا ہو۔ پھر دھپ سے بستر پر بیٹھ گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جسم سے جان نکل گئی ہے اور ہاتھ پاؤں میں ہلنے کی سکت نہیں ہے اور اس کے اندر جو کچھ تھا وہ خالی ہوگیا ہے اور جانے والا اس کے وجود کے پرس سے تمام محبت اور خلوص کی نقدی سمیٹ کرلے گیا ہے۔

وہ عمر کی جس سیج پر بیٹھی ہوئی تھی' وہاں دس روپے ستر پیسے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہاں تو ایسے انمول جذبے ہوتے ہیں جو سکّوں کی طرح گنے نہیں جاتے۔ ایسی آرزوئیں ہوتی ہیں جو تاش کے بے ایمان پتوں کی طرح پھینٹی نہیں جاتیں۔ وہاں تو صرف ایک مسکراہٹ کی خاطر راتیں آنکھوں میں کٹ جاتی ہے اور دشمنوں سے بچانے

کے لئے اجنبی محبت پر اپنے آنچل کا سایہ کیا جاتا ہے۔ اس نے پناہ دی' روٹی دی' آنکھ بھر کے نیند اور جی بھر کے اپنی تنہائی دی۔ اگر وہ مانگتا تو وہ اپنے بدن کی بوٹی بوٹی کاٹ کردے دیتی۔ ارے بے ایمان! دغاباز! دس روپے ستر پیسے میں اپنی اوقات دکھا گیا............

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ تنہا تھی۔ چھ سال سے تنہا تھی۔ اس دوران اس نے دکھ بیاری میں بھی آنسو بہائے تھے مگر آج تک کوئی اس کے آنسو پونچھنے نہیں آیا۔ اس کا کوئی نہیں تھا جو اسے سینے سے لگاکر تسلیاں دیتا۔ وہ اپنے آنسو اپنے ہی ہاتھوں سے پونچھنے کی عادی ہوچکی تھی۔ کچھ نہ ہو تو انسان اپنے آنسو دکھاکر ہی ہمدردی حاصل کرتا ہے مگر یہ تنہائی بڑی ظالم ہوتی ہے۔ وہ آج تک کسی کو اپنے آنسو بھی نہ دکھا سکی۔

کتنے ہی غم تھے اور کتنے ہی زخم تھے جو ہرے ہوگئے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر تک روتی رہی اور اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں پونچھتی رہی۔ پھر دروازے پر دستک سنائی دی۔

یکبارگی دل کی دھڑکنیں جیسے تھم گئیں۔ دماغ کے کسی گوشے سے آواز آئی۔ شاید وہ اپنی غلطی پر نادم ہوکر واپس آگیا ہے۔

وہ جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھتی ہوئی دروزے کے پاس آئی۔ دروازے کی چٹخنی گری ہوئی تھی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور اسے کھول دیا۔

باہر مکان کی مالکہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے بوڑھی تجربہ کار آنکھوں سے جوان لڑکی کو ایک نظر دیکھا' پھر رازدارانہ لہجے مین پوچھا۔

"کیا وہ چلا گیا؟"

"ک..........کون؟" وہ گھبرا گئی۔

"وہی جو نہ جانے کب سے تمہارے کمرے میں تھا۔"

"نن.......... نہیں۔ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میرے کمرے میں کوئی نہیں تھا۔"

بوڑھی مالکہ اسے پیچھے ہٹاتی ہوئی کمرے میں آگئی۔ اس کے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ فرش پر چائے کی دونوں پیالیاں ابھی تک رکھی ہوئی تھیں۔

"کیا تم نے دو پیالوں میں چائے پی ہے؟"

"جی۔ جی ہاں۔"

"تم کتنی مضحکہ خیز باتیں کر رہی ہو۔"

"جی آپ نہیں سمجھیں۔ ایک پیالی میں مکھی گر گئی تھی اس لئے میں نے وہ چھوڑ دی اور دوسری پیالی پی ہے۔"

"یہ زمین پر سگریٹ کے ٹوٹے پڑے ہیں ان کے متعلق کیا کہو گی؟"

وہ کسی حد تک اپنی گھبراہٹ پر قابو پا چکی تھی' اس نے جواب دیا۔

"بیگم صاحبہ! آپ نہ جانے کیا سوچ رہی ہیں اور کیوں ایسے سوالات کر رہی ہیں۔ میں جب بہت زیادہ پریشان ہوتی ہوں تو دو چار سگریٹ کے کش لگالیتی ہوں۔ یہ کوئی برائی تو نہیں ہے۔"

بوڑھی مالکہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پیالیوں کے پاس آئی پھر ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"تم بہت سمجھدار ہو مگر محتاط نہیں ہو۔ اگر محتاط ہوتیں تو اسے سمجھا دیتیں کہ وہ اونچی آواز میں باتیں نہ کرے۔ میں صبح سے تین بار تمہارے دروازے کے قریب سے گزری اور تین بار میں نے اس کی آواز سنی۔ ایک بار تمہاری ہنسی کی آواز بھی آئی تھی۔ میں اس انتظار میں تھی کہ وہ چلا جائے تو میں تمہیں سمجھاؤں گی۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اس مکان میں جتنی بھی لڑکیاں کرایہ دار ہیں وہ پارسا نہیں ہیں۔ ان کے بوائے فرینڈ یا عاشق آتے رہتے ہیں اور عاشق بدلتے بھی رہتے ہیں' مگر جو کھیل وہ کھیلتی ہیں' چھپ کر کھیلتی ہیں ورنہ محلے والوں کو پتہ چل جائے تو میں بدنام ہو جاؤں گی

کہ میں نے یہاں چکلہ کھول رکھا ہے۔ نہیں مجھے چکلے کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ چکلہ تو وہ ہوتا ہے جہاں عورتیں پیسوں کی خاطر منہ کالا کرتی ہیں۔ میرے ہاں جتنی لڑکیاں ہیں وہ بنیادی طور پر غلط نہیں ہیں۔ ان کا المیہ یہ ہے کہ وہ سب تمہاری طرح تنہا ہیں۔ کوئی بیوہ ہے' کوئی کنواری ہے' کسی کا رشتہ نہیں آتا' آتا بھی ہے تو وقت گزار کر چلا جاتا ہے۔ وہ دن بھر محنت مزدوری کرتی ہیں' شام کو تھک ہار کر آتی ہیں اور محبت کی ایک نگاہ کے لئے ترستی ہیں۔ جب انہیں دائمی محبت نہیں ملتی تو وقتی محبت کے فریب سے بہل جاتی ہیں۔ وہ مجھے اور میرے گھر کو بدنام نہیں کرتی ہیں۔ ہر ماہ پابندی سے کرایہ دیتی ہیں اس لئے میں کچھ نہیں کہتی۔ میں تمہیں بھی کچھ نہیں کہتی۔ صرف تمہیں یہ سمجھانے آئی ہوں کہ تمہاری یہ کھڑکی گلی کی طرف ہے۔ یہاں سے کوئی مردانہ آواز باہر جائے گی تو گلی سے گزرنے والے ہزار باتیں بنائیں گے اور تمہارے ساتھ دوسری تمام لڑکیاں بدنام ہو جائیں گی اس لئے آئندہ محتاط رہو اور اس بات کا خیال رکھو کہ دن کے وقت تمہارا کوئی بوائے فرینڈ نہ آئے۔ رات کو جب بھی آئے تو آواز کھڑکی کے باہر نہ جائے۔ یہ باتیں میں تمہاری بھلائی کے لئے سمجھا رہی ہوں اور تم تو کافی سمجھدار ہو۔"

وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور بڑی محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔

"یہاں کی تمام لڑکیاں اکثر تمہارے متعلق باتیں کرتی ہیں کہتی ہیں کہ تم پتھر ہو۔ تمہارے دل میں کوئی ارمان نہیں ہے' کوئی امید نہیں ہے تم کوئی سپنا نہیں دیکھتی ہو اور میں سوچتی تھی کہ اچھا ہے' تم کوئی سپنا نہ دیکھو مگر تم نے دیکھ لیا۔ اب میں تمہاری آنکھیں دیکھ کر بتا سکتی ہوں کہ کچھ دیر پہلے تم روتی رہی تھیں۔ یہ درست ہے کہ عورت اپنی سیج کے پہلے ساتھی کو کبھی نہیں بھولتی۔ اس کے لئے روتی ہے یا چپ چاپ آہیں بھرتی ہے۔ تمہارا یہ پہلا تجربہ ہے میری دعا ہے کہ یہ پہلا ساتھی تمہاری زندگی کی آخری سانس تک رہے۔ اگر نہ رہا تو اس کڑوی حقیقت کو برداشت کر لینا کہ یہ کسی

سہاگن کی خوابگاہ نہیں ہے۔ یہ کرائے کا کمرہ ہے اور یہاں کرائے کے عاشق ہی آسکتے ہیں۔ وہ کچھ دیتے نہیں بلکہ اپنے سگریٹوں کے لئے کچھ مانگ کر لے جاتے ہیں۔ میں یہاں کی تمام لڑکیوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ محبت کے ایک بول پر اپنا پرس خالی کردیتی ہیں اور ان کے جانے کے بعد مجھ سے ادھار مانگنے آتی ہیں۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ اس وقت تمہارا پرس بھی خالی ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے کہہ دی ہے کہ آج تک تم نے مجھ سے کبھی ادھار نہیں مانگا۔ یہ بُری بات ہے۔ مجھے اپنا سمجھو۔ میں کوئی مالدار عورت نہیں ہوں مگر تم لوگوں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں پوری کرسکتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر دس دس کے دو نوٹ نکالے اور اس کی جانب بڑھاتی ہوئی بولی۔

"پرسوں تمہاری تنخواہ مل جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ بیس روپے میں تمہارا کام چل جائے گا۔ اوہو تم ایسی چپ کیوں کھڑی ہو؟ لاؤ اپنا ہاتھ............"

اس نے جبراً اس کا ہاتھ تھام کر اس کی ہتھیلی پر بیس روپے رکھے۔ اس کی مٹھی باندھی اور اس کے شانے کو پیار سے تھپکنے کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

وہ اب بھی چپ تھی۔ جب تک بوڑھی مالکہ بولتی رہی، وہ اپنے ہونٹوں کو سختی سے یوں بھینچے کھڑی رہی جیسے اپنی آہوں اور کراہوں کے آگے بند باندھ رہی ہو۔ اس پر الزام لگا کہ اس کا کوئی عاشق وہاں آیا تھا۔ اس نے انکار نہیں کیا، بلکہ دل میں ایک ہوک سی اُٹھی۔ کاش کہ وہ عاشق ہوتا۔

دوسری لڑکیوں کی طرح وہ بھی بدنام ہوگئی مگر اس نے اپنی طرف سے کوئی صفائی پیش نہیں کی۔ وہ جانتی تھی کہ وہاں کی رہنے والیاں اس کی پارسائی کا یقین نہیں کریں گی۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ جانے والا چلا گیا ہے اور وہ اس کے فراق میں رو رہی ہے۔ ثبوت کے طور پر اس کا خالی پرس اور مٹھی میں بندھے ہوئے بیس روپے بھی بہت کچھ کہہ رہے تھے۔

بس یہی سوچ کر اسے غصہ آگیا کہ اس نے محبت سے پرس خالی کیوں نہیں کیا؟ بے ایمانی سے چھین کر کیوں لے گیا؟ اس نے جھلا کر چائے کی پیالی کو ایک ٹھوکر ماری۔ وہ پیالی اچھل کر دوسری پیالی سے ٹکرائی دونوں پیالیاں الٹ گئیں۔ بچی ہوئی چائے فرش پر پھیل گئی۔ اس چائے میں ایک مکھی پڑی ہوئی تھی۔

آنکھوں دیکھی مکھی نگلی نہیں جاتی مگر وہ اجنبی کی بے مروتی کو جھنجلا جھنجلا کر برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆------☆------☆

وہ اس شہر کے راستوں کو اچھی طرح نہیں جانتا تھا۔ ایک رات اور ایک دن لڑکی کے کمرے میں قید رہنے کے بعد وہ باہر آیا تو اسے سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ اس شرابی کے متعلق معلومات حاصل کرے جو اس کے گھونسے کا شکار ہوگیا تھا۔ وہ مرچکا ہے یا بچ گیا ہے؟ اگر زندہ ہے تو زیادہ تشویش کی بات نہیں تھی' زیادہ رُوپوشی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دوسرے علاقوں میں جاکر نوسربازی سے گزارہ کرسکتا تھا۔

پچھلی رات جہاں اس نے شراب پی تھی' اس علاقے کا نام وہ جانتا تھا مگر وہاں تک پہنچنے کا راستہ نہیں جانتا تھا اس نے ایک رکشے والے سے کہا۔

"گرومندر چلوگے؟"

رکشے والے نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور سمجھ گیا کہ کوئی پینڈو ہے۔ اتنے بڑے شہر میں پہلی بار آیا ہے۔ اس نے سرہلا کر میٹر آن کردیا۔ اجنبی رکشے میں بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔ رکشا ایک لمبے راستے پر چل پڑا تھا۔ گرومندر وہاں سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ پچھلی شام اجنبی بدحواسی میں بھاگتا رہا تھا اور مختلف گلیوں میں چکراتا رہا تھا اس لئے اس کے ذہن میں یہی بات تھی کہ وہ گرومندر سے بہت دور نکل آیا تھا۔ رکشے والا اصل راستے کو چھوڑ کر جماعت خانے کے راستے پر گیا۔ وہاں سے لسبیلہ پہنچا۔ اس سے آگے تین ہٹی گیا۔ پھر تین ہٹی سے گھوم کر

گرومندر کے گول چکر کے پاس لاکر رکشے کو کھڑا کردیا۔

اجنبی رکشے سے اتر گیا۔ میٹر کے مطابق اس نے رکشے والے کو چھ روپے بیس پیسے ادا کئے اور ایک دکان کے سائے میں کھڑا ہوکر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اسے یاد آگیا کہ اس گول چکر کے دوسری طرف تقریباً سو قدم کے فاصلے پر وہ شراب خانہ ہے۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ راستے میں ٹریفک زیادہ تھی۔ وہ فٹ پاتھ پر چل رہا تھا اور آس پاس سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتا جارہا تھا کہ کوئی اسے قاتل کی حیثیت سے پہچانتا تو نہیں ہے؟ تھوڑی دور جاکر وہ ایک درخت کے سائے میں رک گیا۔ دور ہی سے وہ شراب خانہ نظر آرہا تھا مگر وہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی کھڑکیاں اور دروازے بند تھے.......... دروازے کے سامنے ایک شخص چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی کھڑے ہوئے اس سے باتیں کررہے تھے۔ پھر وہ دونوں سر جھکا کر اسی طرف آنے لگے جہاں اجنبی کھڑا ہوا تھا۔ جب وہ قریب سے گزرنے لگے تو اجنبی نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"آج یہ بار کیوں بند ہے؟"

ایک شخص نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر جواب دیا۔

"صرف یہی نہیں' شہر کے تمام شراب خانے بند ہیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ شاید چور دروازے سے پینے کو مل جائے مگر پولیس والے بڑی سختی کررہے ہیں۔ کیا تم بھی پیتے ہو؟"

"ہاں!" اجنبی نے جواب دیا۔

"تو پھر صبر کرو۔ جب تک پولیس والوں کی تفتیش مکمل نہیں ہوگی' شراب خانے نہیں کھلیں گے۔"

"کیسی تفتیش؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"تم کیسے شرابی ہو؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ شہر میں کیا ہورہا ہے؟"

"نہیں۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"تم خاص بات کہتے ہو۔ ارے بھئی دھماکہ ہے دھماکہ۔ کل کتنے ہی شراب خانوں میں زہریلی شراب بیچی گئی ہے۔ یہ سارے بیچنے والے ایسی ملاوٹ کرتے ہیں کہ آخر شراب کو بھی زہر بنا کر رکھ دیا۔ کتنے ہی پینے والے ہسپتالوں میں پڑے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ کچھ لوگ مر گئے ہیں کل کے اخباروں میں ضرور کچھ نہ کچھ لکھا ہوگا۔ ایک شرابی کو تو ہم نے خود اسی شراب خانے میں دم توڑتے دیکھا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جھگڑا ہو گیا تھا۔ کسی نے اسے گھونسہ مارا تھا۔ بھلا یہ بھی یقین کرنے کی بات ہے؟ کیا ایک گھونسے سے آدمی مر سکتا ہے؟"

"نہیں!" اجنبی نے جلدی سے کہا۔ "بالکل نہیں۔ ایک گھونسے سے آدمی نہیں مر سکتا۔ کیا تم نے اس گھونسہ مارنے والے کو دیکھا تھا؟"

"نہیں۔ ہم کیبن میں تھے۔ جب ہم باہر نکلے تو وہ بھاگ گیا تھا۔ اس کا پیچھا کرنے والے کچھ لوگ اس کا حلیہ بتا سکتے ہیں مگر اب وہ بھی پولیس والوں سے چھپتے پھر رہے ہیں۔"

"وہ کیوں چھپ رہے ہیں؟"

"ارے بھئی۔ جتنے پینے والے ہیں' پولیس انہیں پکڑ رہی ہے۔ ان کا طبی معائنہ کرا رہی ہے اور ان کی پٹائی بھی کر رہی ہے۔ کسی کا دماغ خراب ہے کہ وہ تھانے جا کر اجنبی کا حلیہ بیان کرے گا اور خود کو شرابی ثابت کرے گا۔"

اجنبی کے جی میں آیا کہ ایک زوردار قہقہہ لگائے مگر اس نے اس خواہش کو دبا لیا۔ دوسرا شخص کہہ رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے' ہم نے جو بوتل پی تھی' وہ زہریلی نہیں تھی ورنہ ہم بھی ہسپتال میں ہوتے یا قبرستان میں۔ اب تو خوب سوچ سمجھ کر پینا ہوگا۔"

اجنبی کچھ سوچ رہا تھا اور کچھ سوچ کر فکرمند ہو گیا تھا۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"شراب خانے کے ملازم اس کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ ابھی وہ جو شراب خانے کے باہر چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا نا' ہم اس ملازم سے یہی باتیں کر رہے تھے کل وہاں اور دو شرابیوں کے منہ سے اور ناک سے خون گرا تھا۔ فوراً ہی ہسپتال بھیجا گیا اور وہ جو گھونسہ کھا کر گرا تھا وہ بھی زہریلی شراب کے اثر سے مرا تھا۔ ملازم کہتا ہے ایک تو ہم پر زہریلی شراب بیچنے کا الزام لگ چکا ہے' پھر ہم مرڈر کیس میں اپنا کاروبار کیوں بند کریں۔ ہم نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ کچھ لوگ جو وہاں موجود تھے اور ہمارے اپنے آدمی تھے' انہوں نے بھی یہی بیان دیا ہے۔"

اجنبی اطمینان کی ایک گہری سانس لیتے ہوئے رک گیا اور ان سے رخصتی مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

"تم دونوں کا بہت بہت شکریہ! اگر تم یہ باتیں نہ بتاتے تو میں شراب پینے کے چکر میں نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا رہتا۔ خدا حافظ!"

وہ آگے بڑھ گئے۔ یہ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اسے پھانسی کے پھندے سے نجات مل گئی۔ دل سے بہت بڑی دہشت دور ہو گئی تھی۔ وہ ایک دم سے ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے بازوؤں پر پَر نکل آئے ہیں اور وہ بلندیوں میں اڑنا چاہتا ہے اور خوب زور زور سے قہقہے لگانا چاہتا ہے۔ ہاں کم از کم ایک بھرپور قہقہے کی خواہش بڑی دیر سے مچل رہی تھی۔ اس نے آس پاس دیکھا' کتنے ہی لوگ آ رہے تھے' جا رہے تھے' ایسے میں وہ قہقہہ لگاتا تو بلاشبہ پاگل سمجھا جاتا۔

وہ تیزی سے چلتے ہوئے ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ آزادی سے قہقہہ لگا سکے۔ وہ آزاد قہقہہ اس کے گلے میں پھنسا ہوا تھا اور اس کے وجود کو جھنجھوڑ کر باہر آنا چاہتا تھا۔ ایسا بھی کیا ہے کہ آدمی موت کے منہ سے نکلے اور نئی زندگی کی خوشی میں قہقہہ نہ لگائے۔ یہ دنیا سمجھتی کیوں نہیں کہ اسے ایک قہقہے کی ضرورت ہے؟ وہ جہاں جا رہا تھا' لوگ نظر آ رہے تھے۔ سڑکوں پر' فٹ پاتھ پر۔ اِدھر گول چکر کے پاس دو سپاہی کھڑے تھے۔ بلاوجہ ہنسنے پر شرابی سمجھ کر پکڑ لیتے۔ وہاں چند عورتیں بس کا انتظار

کر رہی تھیں۔ قہقہہ لگانے پر بدمعاش سمجھ کر گالیاں دیتیں۔ کہیں نشہ باز' کہیں بدمعاش اور کہیں پاگل سمجھنے والے قدم قدم پر موجود تھے اور اس کی ہنسی پر پہرہ لگا رہے تھے۔ روزِ ازل سے یہی ہوتا آیا ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کو ہنسنے کا موقع نہیں دیتا۔ پھانسی کے پھندے سے نکال کر تہذیب کے پھندے ڈالتا ہے کہ فلاں وقت ہنسو' فلاں جگہ ہنسو' اگر راستہ چلتے کوئی خوشی مل جائے تو اس خوشی کا گلا گھونٹ دو۔

لیکن وہ اتنے قیمتی قہقہے کا گلا نہیں گھونٹ سکتا تھا۔ وہ تڑپ رہا تھا اور اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔ پھر اچانک ہی ایک موٹا اور بھدا سا آدمی فٹ پاتھ پر چلتے چلتے کیلے کے چھلکے پر پھسل گیا۔ ہاہاہا۔ اجنبی کے حلق سے قہقہوں کا طوفان اٹھا اور چاروں طرف گونجنے لگا۔

ہاہاہا۔ دوسرے لوگ بھی ہنس رہے تھے۔ پیٹ پکڑ پکڑ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ ہنسنے کا یہی دستور ہے کہ اپنی خوشی پر دوسروں کے سامنے نہ ہنسو۔ ہاں کوئی پستی میں گرے تو جشنِ قہقہہ مناؤ۔ کچھ بھی ہو' اجنبی کو ہنسنے کا موقعہ مل گیا تھا۔ وہ ہنستے ہنستے گول چکر پر آگیا اور ہری بھری گھاس پر گر کر لوٹنے لگا۔ اس کے اندر جتنا دھواں تھا' وہ سب نکلتا جا رہا تھا۔ جتنی فکر اور پریشانیاں تھیں سب ڈھلتی جا رہی تھیں اور وہ پھر سے اس دنیا میں ایک نیا جنم لے رہا تھا۔

وہ چاروں شانے چت ہو گیا۔ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں آزادی سے پھیلا دیئے اور کھلے آسمان کو تکنے لگا۔ ستارے آنکھ مار رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ چاند اس کی آنکھوں میں چمک رہا تھا نیلگوں آسمان کا یہ حسن پچھلی رات سے کہاں گم ہو گیا تھا؟

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ نیون سائن کے اشتہارات رنگ بدل رہے تھے' جل رہے تھے' بجھ رہے تھے' پھر جل رہے تھے اور اپنے سلگتے ہوئے رنگوں سے اس کے احساسات میں رنگ بھر رہے تھے۔ اتنی دیر سے یہ تمام رنگینیاں کیوں نظر نہیں آ رہی

تھیں؟

کیا جرم کا احساس اتنا سنگین ہوتا ہے کہ تمام رنگینیاں نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں اور اس دنیا کا کوئی حسن نظر نہیں آتا؟

کہیں دور کسی ریڈیو سے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ نہایت ہی سُریلی آواز تھی۔ وہ گا رہی تھی یا فریاد کر رہی تھی۔ اجنبی اس نغمے کی گہرائی میں ڈوب رہا تھا۔ وہ آواز کہہ رہی تھی کہ وہ ایسی سُریلی آواز پہلے بھی کہیں سن چکا ہے۔ بہت قریب سے' بہت دیر تک سنتا رہا ہے۔ سُر سنگیت کے رچاؤ سے اور گیت کے بول سے ایک حسینہ کی دھندلی شبیہہ چشمِ تصور میں جھلک رہی تھی۔ وہ آ رہی تھی' وہ جا رہی تھی' دروازہ بند کر رہی تھی' اس پر لحاف ڈال رہی تھی۔

وہ یک بیک ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خلا میں گھورنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ ایک لڑکی کے ساتھ پورے چوبیس گھنٹے گزارنے کے باوجود یہ محسوس نہ کر سکا کہ وہ ایک لڑکی ہے' جوان ہے' تنہا ہے اور اس کے ساتھ ایک کمرے میں قید ہے۔ اب وہ ایک بھرپور انگڑائی کی طرح اس کے خیالوں میں اُبھر رہی تھی۔

تصور کی آنکھیں روشن تھیں۔ وہ پناہ دے رہی تھی۔ یہ دھمکیاں دے رہا تھا۔ وہ مرعوب ہو رہی تھی۔ جس حالت میں اسے لا کر بستر پر پھینکا تھا' اسی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ ساڑھی الٹ کر گھٹنوں تک آگئی تھی۔ آنچل ڈھلک گیا تھا۔ بلاؤز مسک گیا تھا اور.......... اور جب اس نے ہاتھ بڑھا کر گلا گھونٹنے کی دھمکی دی تھی' اس وقت سینے کی سانس لیتی ہوئی بلندیاں اس کے ہاتھ کو چھو رہی تھیں۔ یہ سب کچھ اس نے اس وقت کیوں نہیں محسوس کیا؟ اس لئے کہ اس کے دماغ کے تاریک گوشے میں پھانسی کا پھندا لٹک رہا تھا۔

وہ لحاف ڈال رہی تھی اس نے جھپٹ کر اسے کھینچ لیا۔ اپنے پہاڑ جیسے وجود تلے ایک چیونٹی کو دبوچ لیا۔ اب محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بظاہر چپ تھی اور سیمیں بدن کے زاویے بول رہے تھے لیکن وہ اسے اپنا دشمن سمجھ رہا تھا۔ وہ مہربانیاں کرتی رہی' یہ

ظلم کرتا رہا۔ صرف اس لڑکی سے نہیں، ساری دنیا سے نفرت کرتا رہا۔ جب دماغ کے کسی گوشے میں گرفتاری کا اور سزا پانے کا خوف ہو تو انسان جھنجلا کر دوسروں کو سزا دیتا ہے۔ اس نے بھی لڑکی کو اچھی طرح سزائیں دیں۔ اتنی اچھی طرح کہ چلتے وقت اس کے دس روپے ستر پیسے بھی چھین کر لے آیا۔

اس کا سر جھک گیا۔ پھر وہ اپنا سر کھجانے لگا۔ اب تو اس دنیا سے نفرت نہیں تھی۔ اب کسی قسم کی جھنجلاہٹ نہیں تھی۔ اب دل میں کسی کو سزا دینے کی خواہش نہیں تھی۔ انعام دینے کا جذبہ تھا۔ اس لڑکی نے جتنی تکلیفیں اٹھائی تھیں، اس کے صلے میں صرف ایک مسکراہٹ مانگی تھی۔

"بے چاری کتنی اچھی ہے..........." پہلی بار اسے اس بے چاری کا خیال آیا۔

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر روپے نکالے۔ دس اور پانچ کے بہت سے نوٹ تھے۔ اس نے دس روپے کا ایک نوٹ الگ کیا۔ باقی نوٹوں کو جیب میں رکھا۔ پھر ستر پیسے نکالے۔ اس کے بعد دس روپے ستر پیسے اپنی دائیں مٹھی میں بند کر کے وہ مختلف راستوں کی طرف دیکھنے لگا۔

اس گول چکر سے بہت سے راستے چاروں طرف جا رہے تھے۔ کون سا راستہ اسے اس بے چاری تک لے جائے گا؟ وہ تو اس محلے کا نام بھی نہیں جانتا تھا جہاں چوبیس گھنٹے گزار آیا تھا ورنہ کسی رکشے میں بیٹھ کر چلا جاتا۔

وہ بہت دیر تک سوچتا رہا اور راستوں کو دیکھتا رہا۔ جب اپنی غلطی کی تلافی کا کوئی راستہ نظر نہ آئے تو غلطی کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے۔ وہ لڑکی لمحہ بہ لمحہ ذہن پر مسلط ہو رہی تھی اور اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

"بے چاری تنہا ہے۔ برسوں سے تنہا ہے۔ کوئی اس کے کمرے میں نہ آتا ہے نہ آتی ہے۔ میں پہلی بار گیا اور اسے چوٹ دے کر آ گیا۔ وہ یقیناً روتی ہو گی..........."

وہ گول چکر سے اتر کر شراب خانے کی طرف جانے لگا۔ آج تک وہ اپنی غرض، اپنے مقصد اور فائدے کے لئے قدم اٹھاتا رہا، اس وقت ایک لڑکی کا نقصان پورا

کرنے کے لئے قدم بڑھا رہا تھا۔ شراب خانے کے پاس پہنچ کر وہ سوچنے لگا کہ لڑکی کے گھر کا راستہ یہیں سے مل سکتا ہے۔ یہ جو دروازہ ہے۔ وہ یہاں سے نکل کر اس طرف بھاگتا چلا گیا تھا۔

یہ سوچ کر اس نے اسی طرف بھاگنا شروع کیا۔ بس وہ اسی قسم کا آدمی تھا۔ دماغ میں جو بات سما جاتی تھی، وہ کر گزرتا تھا۔ راستے کے موڑ پر پہنچ کر اس نے یوں پلٹ کر دیکھا جیسے لوگ اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ تب وہ سامنے والی گلی میں گھس گیا تھا۔ وہ اسی گلی میں دوڑنے لگا۔ اسے یاد آیا کہ اس جگہ اس نے راستہ روکنے والے کو سر سے ٹکر ماری تھی اور اس طرف مڑ گیا تھا۔ جب وہ اس طرف مڑ کر گیا تو گلی کے اختتام پر کھلی شاہراہ آ گئی۔ وہاں سے وہ ایک بس میں سوار ہوا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کتنی دور تک بس میں گیا تھا۔ پھر اس اندازے کے مطابق وہ اتنی دور تک دوڑتا چلا گیا۔

لیکن اندازہ کچھ غلط ہو گیا تھا۔ بس سے چھلانگ لگانے کے بعد وہ کسی گلی میں داخل ہوا تھا اور وہاں تھوڑی تھوڑی دور تک گلیاں تھیں۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ درمیانی گلی میں چلا گیا۔ پھر تو گلیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر گلی سے دو تین گلیاں نکلتی چلی گئی تھیں۔ وہ مختلف گلیوں میں بھاگتے بھاگتے تھک گیا تھا۔ وہ ایک جگہ رک کر ہانپنے لگا۔ رکنا یوں بھی ضروری تھا کیونکہ اس کے بھاگنے کی وجہ سے کتنی ہی گلیوں میں کتے بھونکنے لگے تھے۔

وہ دوڑنے کی بجائے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا جانے لگا۔ آس پاس جتنے مکانات تھے، سب انجانے تھے۔ پچھلی شام بھاگتے وقت اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ گلیوں اور مکانوں کو سنگِ میل کی طرح یاد رکھتا اور ان کے سہارے اس مکان تک پہنچ جاتا جہاں دس روپے ستر پیسے والی رہتی تھی۔ اس کی مٹھی میں وہ رقم انگارے کی طرح جل رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکی نہ ملی تو وہ کب تک اس انگارے کو اپنی ہتھیلی پر برداشت کرے گا!

پھر اسے یاد آیا کہ لڑکی کہیں ملازمت کرتی ہے۔ اس نے کارخانے کا پتہ بھی بتایا تھا۔ وہ کل صبح وہاں جاکر اس کی رقم واپس کر سکتا ہے۔

وہ کھڑے ہو کر اس کے بتائے ہوئے پتے کو یاد کرنے لگا۔ وہ بت کی طرح کھڑا تھا اور اپنی پوری یکسوئی سے لڑکی کو یاد کر رہا تھا۔ پھر وہ آئی اور اس کی یادداشت کے خانے میں بیٹھ کر کہنے لگی۔

"میں اسٹائلو میں کام کرتی ہوں۔ صدر کے پاس جو لکی اسٹار ہوٹل ہے نا! اس کے ساتھ ہی وہ کارخانہ ہے.........."

اسٹائلو۔ صدر۔ لکی اسٹار ہوٹل۔ بس اتنا پتا کافی تھا۔ کل صبح وہ لوگوں سے پوچھتا ہوا وہاں تک پہنچ سکتا تھا۔ پتا یاد آتے ہی اس نے خود کو ایک موٹی سی گالی دی کہ خواہ مخواہ اتنی دور تک پاگلوں کی طرح دوڑتا آیا ہے۔ وہ چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگا۔

اب صدر جانے کا ارادہ تھا۔ وہاں کسی سستے ہوٹل کا سستا کمرہ کرائے پر لے کر رات گزارنا تھا لیکن دور تک گلیوں کا جال اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ مین روڈ کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ وہ پھر اندازے سے آگے بڑھنے لگا۔

ایک گلی کے موڑ پر ایک بھکاری بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس سے صدر کا راستہ معلوم ہو سکتا تھا لیکن قریب پہنچنے پر اس نے صدا لگائی۔

"اندھے محتاج کو خیرات دو بابا.........."

وہ مایوس ہو کر آگے بڑھ گیا۔ بھلا ایک اندھا اسے راستہ کیا دکھاتا؟ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی میں پہنچا تو دوسری طرف سے ایک نائٹ چوکیدار آرہا تھا۔ اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

"صدر کا راستہ کون سا ہے؟"

وہ انگلی اٹھا کر بتانے لگا۔ آگے بڑھ کر وہاں گھوم جاؤ۔ وہاں سے دائیں گلی میں آگے جاکر دوشاخہ گلی آئے گی' دائیں شاخ پر جانا۔ چار کوٹھیاں پار کر کے بائیں مڑ جانا۔ پھر دائیں اور دائیں سے بائیں۔ انسان دائیں بائیں چلتے چلتے اپنی قبر تک پہنچ جاتا

ہے 'کیا تم صدر تک نہیں پہنچ سکتے۔ تمہارے پاس ایک سگریٹ ہوگا؟"

اجنبی اپنا ادھ جلا سگریٹ اسے دے کر آگے بڑھ گیا۔ جہاں اس نے مڑنے کے لئے کہا' وہاں مڑتے ہی ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے وہ مکان نظر آرہا تھا' اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ جتنی بھاگ دوڑ کی تھی' ساری تھکن دور ہو گئی۔ اس نے مٹھی کھول کر دس روپے اور ستر پیسوں کو دیکھا۔ پھر مکان کو دیکھا۔ مٹھی کھلی تھی۔ مکان کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

وہ دروازے پر دستک دینے کے لئے آگے بڑھا۔ پھر رک گیا۔ یہ خیال دل میں آیا کہ اگر لڑکی کے علاوہ کسی دوسری عورت نے دروازہ کھولا تو وہ کیا جواب دے گا۔ وہ جیسا بھی مناسب جواب دے گا پھر بھی لڑکی بدنام ہوگی کہ رات کو ایک غیر مرد اس سے ملنے آیا ہے۔

وہ الجھ گیا کہ اب کیا کرے؟ کس طرح اسے بلائے؟ ایسے وقت اسے ایک فلم کا سین یاد آیا۔ ہیرو اپنی ہیروئن کے مکان کے سامنے ایک درد بھرا گیت گاتا ہے۔ ہیروئن گیت سن کر تڑپتی ہے اور سماج کے سارے بندھن توڑ کر چلی آتی ہے۔ مگر وہ محبت کرنے نہیں آیا تھا اور اسے دس روپے ستر پیسے لوٹانے والا گیت نہیں آتا تھا۔ اس نے لڑکی کے ساتھ جو زیادتی کی تھی محض اس کی تلافی کرنے آیا تھا۔

وہ گلی کے راستے میں آکر اس مکان کو مایوسی سے دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ لڑکی اس وقت کیا کر رہی ہوگی؟ اس کے ضمیر نے ملامت کی کہ وہ اپنے خالی پرس کا ماتم کر رہی ہوگی۔

اس کے احساس پر پھر ایک شدید ضرب لگی اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رقم لوٹا کر ہی جائے گا خواہ دروازہ توڑنا پڑے' پائپ کے سہارے چھت پر چڑھنا پڑے یا کھڑکیوں کے راستے کمرے میں..........

یکبارگی اس کے ذہن میں وہ کھڑکی کھل گئی جو گلی کی طرف تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا مکان کے دائیں طرف آیا۔ وہاں سے پیچھے گیا۔ پیچھے تین کھڑکیاں نظر آئیں۔

اتنا وہ دیکھ چکا تھا کہ لڑکی کے کمرے میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ نیلے رنگ کا پردہ تھا۔ پہلی کھڑکی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دوسری کھڑکی کے پٹ بند تھے۔ شیشوں کے باہر پردہ پڑا ہوا تھا۔ کمرے کا اندرونی حصہ نظر نہیں آرہا تھا' البتہ اندر کی روشنی سے پردے کی نیلاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کے شیشے پر ہولے سے دستک دی۔ تھوڑی دیر انتظار کیا پھر دوبارہ دستک دی۔ اس بار پردہ ذرا سا سرک گیا اور وہ نظر آنے لگی اس کی زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ سیاہ بدلیوں میں چہرے کی چاندنی چٹک رہی تھی۔ آنکھیں یوں سوج گئی تھیں جیسے بہت دیر تک روتی رہی ہو۔ اس کیفیت میں آنکھیں پہلے سے زیادہ روشن' حسین اور پُرکشش ہو گئی تھیں۔ ستواں ناک کی کیل پر ننھا سا نگینہ چم چم چمک رہا تھا اور رس بھرے ہونٹ حیرت سے کُھل گئے تھے بلکہ کِھل گئے تھے۔

وہ چند لمحوں تک حیرانی سے اسے دیکھتی رہی۔ اجنبی بھی سوچتا رہا کہ یہ حسنِ بے مثال کہاں تھا' پہلے کیوں نہیں نظر آیا؟ تعجب ہے کہ پورے چوبیس گھنٹے تک وہ ایک اندھے کی طرح زندگی گزارتا رہا۔

پھر وہ چند لمحے ختم ہو گئے۔ لڑکی کی حیرانی دور ہو گئی اور دل کے زخم یاد آ گئے۔ اس نے غصے اور نفرت سے اسے دیکھا' پھر پردے کو کھینچ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

اجنبی کو یوں لگا جیسے وہ نفرت کے اندھیرے میں' دور کہیں گہرائی میں کسی کی نظروں سے گرتا جا رہا ہے۔ اس نے فوراً ہی دستک دی۔ ذرا دیر بعد لڑکی نے جھلا کر پردے کو سرکایا پھر ایک ہاتھ طمانچہ مارنے کے لئے اٹھایا۔ طمانچہ تو خیر نہیں مار سکتی تھی۔ وہاں کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں' اس کے پٹ بند تھے وہ محض دھمکی دے رہی تھی۔ "چلے جاؤ۔ نہیں تو ماروں گی ہاں۔"

اجنبی نے جلدی سے دس روپے کا نوٹ کھول کر اور چٹکی میں ستر پیسے لے کر دکھائے اور اشارے سے کہا۔ "میں یہ واپس کرنے آیا ہوں۔"

لڑکی نے ان پیسوں کو دیکھا' پھر ایک طرف منہ کر کے نفرت سے تھوک دیا۔ اس کی گونگی ادائیں کہہ رہی تھیں۔ "میں تھوکتی ہوں ان پیسوں پر جاؤ چلے جاؤ۔ بھاگ جاؤ یہاں سے............"

اجنبی نے انکار میں سرہلا دیا اور دس روپے کے نوٹ کو کھڑکی کے شیشے پر مارنے لگا۔ یہ اشارہ تھا کہ میں انہیں واپس کر کے ہی جاؤں گا۔ کھڑکی کھولو!

وہ کھڑکی نہیں کھول رہی تھی۔ شیشوں کے آرپار دونوں گونگے مکالمے ادا کر رہے تھے۔ وہ غصہ دکھا رہی تھی۔ اجنبی کو بھی غصہ آرہا تھا۔ اس نے مکا دکھا کر کہا۔ "میں شیشے کو توڑ دوں گا۔"

لڑکی نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "بڑا آیا مکا مارنے والا۔" اس نے ہاتھ کو اونچا کیا۔ "اتنا اونچا قد ہے۔" دونوں ہاتھ پھیلا کر بتایا۔ "اتنا موٹا آدمی ہے۔" پھر خیالی تاش کے پتے پھینٹتے ہوئے بولی۔ "اور نوسربازی کرتا ہے۔ لعنت ہے۔" اس نے پانچوں انگلیاں دکھائیں۔ پھر تنبیہہ کے لئے انگلی اٹھائی اور چیخنے کے انداز میں منہ کھول کر بتایا۔ "چلے جاؤ یہاں سے' ورنہ شور مچاؤں گی۔"

پھر اس نے پردوں کو کھینچ دیا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ دانت پیستے ہوئے ویران کھڑکی کو دیکھنے لگا۔ وہ چاہتا تو ایک مکے سے کھڑکی کے شیشے توڑ دیتا اور دس روپے ستر پیسے کمرے کے اندر پھینک کر چلا جاتا لیکن اس بات کا اندیشہ تھا کہ رات کے سناٹے میں شیشے ٹوٹنے کی آواز دور تک پھیلے گی۔ آس پاس کے مکانوں والے جاگ جائیں گے اور اسے چور سمجھ کر شور مچائیں گے۔ نائٹ چوکیدار بھی کہیں قریب ہی گشت کر رہا ہو گا لہٰذا وہاں سے بھاگنا محال ہو جائے گا۔

اس نے دس روپے ستر پیسے کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

"میں ایمانداری سے پیسے واپس کرنے آیا ہوں اور یہ سالی نخرے دکھاتی ہے۔ نہیں لے گی تو جہنم میں جائے۔ میرا فرض پورا ہو گیا۔ اب یہ پیسے میرے لئے حلال ہو گئے ہیں۔"

اس نے دل کو تسلی دی اور مٹھی باندھ کر جانے لگا مگر وہ مٹھی بھاری لگ رہی تھی۔ پیسے کانٹوں کی طرح چبھ رہے تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ لڑکی پیسوں کے لئے غصہ نہیں دکھا رہی تھی۔ پیسوں کا غم ہوتا تو کھڑکی کھول کر اپنے پیسے واپس لے لیتی۔ دراصل اس نے جو زیادتی کی تھی اور بے حسی اور بے مروتی کا ثبوت دیا تھا' اس کے ان ہی رویوں سے ناراض ہو گئی تھی۔

اجنبی کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں آگیا کہ وہ پیسے اس پر حلال نہیں ہوئے ہیں۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پلٹ کر دور کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

کھڑکی کے شیشوں سے روشنی باہر آرہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پردے سرک گئے ہیں۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ادھر جانے لگا۔ کھڑکی کے پٹ اسی طرح بند تھے' صرف پردے سرک گئے تھے۔ اجنبی اندھیرے میں رک گیا۔ گلی میں جہاں تک روشنی تھی' وہاں تک نہیں گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ کھڑکی کھولے گی تو میں آگے بڑھ کر پیسے واپس کردوں گا۔

لیکن وہ کھڑکی کی چوکھٹ سے سر ٹیکے بڑے ہی شکست خوردہ انداز میں کھڑی تھی اور حسرت سے اندھیری گلی کو تک رہی تھی۔ اجنبی دیوار سے لگا ہوا دبے قدموں سے ذرا اور قریب گیا۔ پھر یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ وہ رو رہی تھی۔

وہ رو رہی تھی۔ آنکھیں اندھیرے میں کسی کے نقشِ قدم کو تلاش کر رہی تھیں اور اس کے رسیلے ہونٹ ایک ذرا سے یوں کھل گئے تھے جیسے دل سے نکلنے والی آہ ہونٹوں کی دہلیز پر ٹھٹک گئی ہو۔

اجنبی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ عورت اندر سے خالی ہو کر کس طرح روتی ہے۔ اس کی کھوپڑی میں پھر یہی بات آئی کہ پرس خالی ہو گیا ہے۔ وہ جلدی سے سامنے آگیا۔

لڑکی یوں چونکی جیسے خواب کی تعبیر سامنے آگئی ہو۔ جتنا غصہ دکھانا تھا' وہ دکھا چکی تھی۔ اس کا چہرہ ایک دم سے کھل گیا۔ آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے اور ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بھری برسات میں

دھوپ نکل آئی ہو۔

اجنبی کو وہ اتنی اچھی لگی۔ اتنی اچھی لگی کہ اس نے بھی بتیسی نکال دی۔ اس کے مسکرانے کا یہ انداز دیکھ کر لڑکی کو ہنسی آگئی۔ وہ اپنی زلفوں کو جھٹک کر ہنسنے لگی۔ ٹھیک ایسے ہی وقت اجنبی نے اپنی عقلمندی کا ثبوت دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے دس روپے کا نوٹ کھول کر کھڑکی کی جانب بڑھا دیا۔

وہ نوٹ نہیں تھا' ایک طمانچہ تھا۔

اس دریچے کے باہر خواب کی تعبیر نہیں آئی تھی' ایک قرضدار اپنا قرض لوٹانے آیا تھا۔ اس کی ہنسی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ ایک لمحہ حیرت کا تھا' دوسرا نفرت کا۔ غصے کا۔ جھنجلاہٹ کا۔ اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر اجنبی کو یوں دیکھا جیسے اس کی گردن دبوچ لے گی لیکن ان کے درمیان شیشے کی دیوار تھی۔ وہ اندر ہی اندر تلملا رہی تھی۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے پردے کو کھینچ دیا۔

اب وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ اجنبی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہو گیا؟ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جہاں پیار ہوتا ہے' وہاں پیسوں کی گنتی نہیں ہوتی اور جہاں پیسہ ہوتا ہے وہاں وہ قینچی کی طرح پیار کو کاٹتا چلا جاتا ہے۔

اس نے شیشے پر دستک دی مگر دل کا شیشہ تڑخ گیا تھا۔ پردے میں جنبش نہ ہوئی۔ دوسری بار دستک دی۔ کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس نے مایوسی سے کہا۔

"عجیب لڑکی ہے۔ ہنستی بھی ہے اور غصہ بھی دکھاتی ہے۔ روتی بھی ہے اور پیسے بھی نہیں لیتی۔ میں کیا کروں؟"

وہ مایوس ہو کر جانے لگا۔ مکان کے آخری سرے پر پہنچ کر وہ رک گیا اور انتظار کرنے لگا کہ شاید پھر پردہ ہٹے گا مگر کافی دیر تک نگاہیں جمائے رکھنے کے باوجود کھڑکی روشن نہ ہوئی۔ وہ سر جھکا کر جانے لگا۔

مٹھی میں پیسے تھے۔ پیسوں میں لڑکی کے آنسو تھے اور وہ آنسوؤں کا بوجھ اٹھائے جا رہا تھا۔

اس نے اپنے آپ سے پوچھا' میں ان پیسوں کا کیا کروں؟ میں انہیں اپنی ذات پر خرچ نہیں کروں گا اور وہ انہیں واپس نہیں لے گی اور یہ ایک طوق کی طرح میرے گلے میں پڑے رہیں گے۔ یہ میرے پاس رہیں گے تو مجھے نیند نہیں آئے گی۔ وہ بار بار یاد آتی رہے گی۔ کیا مصیبت ہے' آج تک کوئی سالی یاد نہیں آئی' پھر یہ کیوں یاد آئے گی؟ نہیں.......... میں انہیں پھینک دوں گا۔ نہ رہے گا بانس' نہ بجے گی بانسری۔

اس نے چلتے چلتے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر کوئی شخص نظر آیا۔ وہ اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اجنبی نے آگے بڑھتے ہوئے سوچا۔ یہ اچھا موقعہ ہے اگر وہ مٹھی کے پیسے یہاں چپ چاپ گرا کر چلا جائے تو پیچھے آنے والا کوئی ضرورت مند انہیں اٹھالے گا۔ اگر ضرورت مند نہ ہو' تب بھی پیسہ ایسی چیز ہے' جسے انسان جھک کر اٹھا لیتا ہے۔

اس نے آہستگی سے مٹھی کھول دی۔ نوٹ اور کھلے پیسے گر پڑے اور وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ مٹھی ہلکی ہوتے ہی سر ہلکا ہو گیا۔ دل کا بوجھ اتر گیا۔ لڑکی نے پیسے نہیں لئے' اس نے بھی نہیں لئے۔ اچھا ہے کسی بے چارے کے کام آجائیں گے۔

اس نے ذرا گھوم کر دیکھا' پیچھے آنے والا اکڑوں بیٹھ گیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر پیسے چن رہا تھا۔ ایسے وقت اسے وہ موٹا بھدا آدمی یاد آیا جو کیلے کے چھلکے پر پھسل گیا تھا۔ سب قہقہے لگاتے گزرتے گئے تھے کسی نے اسے جھک کر پیسوں کی طرح نہیں اٹھایا تھا۔ بے چارہ انسان کتنا گر گیا ہے' کوئی نہیں اٹھاتا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا۔ پیچھے آنے والا آوازیں دے رہا تھا۔

"اے بھائی۔ اے بھائی صاحب۔ ذرا سنیئے.........."

وہ رک گیا۔ آنے والے نے اپنی ہتھیلی پھیلا کر کہا۔

"یہ پیسے.......... شاید آپ کی جیب پھٹ گئی ہے۔ یہ دیکھیئے۔ یہ ایک دس روپے کا نوٹ ہے اور ریزگاری کتنی تھی' یہ آپ ہی جانتے ہیں۔ مجھے تو صرف ستر پیسے ملے ہیں۔"

اجنبی نے دل ہی دل میں اسے ایک موٹی سی گالی دی۔ نہ جانے ایک ایماندار آدمی اتنی رات کو کس طرح آسمان سے ٹپک پڑا تھا۔ وہ انکار نہ کر سکا کہ وہ اس کے پیسے نہیں ہیں کیونکہ اس راستے میں وہی دو راہگیر تھے اس نے جبراً مسکرا کر کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ! مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ اتنے بڑے شہر میں ایک ایماندار آدمی موجود ہے۔ میں آپ کی ایمانداری سے خوش ہو کر آپ کو یہ دس روپے ستر پیسے انعام دینا چاہتا ہوں۔"

"نہیں جناب۔ میں نے انعام کے لالچ میں یہ کام نہیں کیا ہے۔ میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ آپ اسے رکھ لیں۔"

یہ کہہ کر اس نے اجنبی کی ہتھیلی پر وہ پیسے رکھے اور خدا حافظ کہتا ہوا سامنے والی گلی کی طرف گھوم کر چلا گیا۔

اجنبی سختی سے ہونٹوں کو بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اپنے راستے پر چلنے لگا۔ لڑکی پھر اس کی مٹھی میں آگئی تھی اور نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ اپنے سبک ہاتھوں کو اشارتی زبان میں ہلا ہلا کر کہہ رہی تھی۔ اتنا اونچا قد ہے' اتنا موٹا آدمی ہے اور نوسربازی کرتا ہے۔ شرم نہیں آتی..........

وہ جھلا کر بڑبڑانے لگا۔ "بڑی آئی مجھے نوسرباز کہنے والی۔ خود ہی نوسرباز ہے۔ اپنے پیسوں کو میری ہتھیلی پر اس طرح چھوڑ دیا ہے' جس طرح میں پتے کھیلنے سے پہلے کنکر کو بڑی چالاکی سے فرش پر چھوڑ دیتا ہوں۔ میں پتے کا ایک کونہ موڑتا ہوں اور اس نے میری زندگی کا ایک کونہ موڑ دیا ہے۔ میں گھوم پھر کر اسی موڑ پر آجاتا ہوں۔ نہیں میں ان پیسوں سے نجات حاصل کروں گا۔ یہ مجھے ڈنک مار رہے ہیں۔ میں انہیں ابھی پھینک دوں گا۔"

اس نے پھینکنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ کوئی اسے دیکھتا نہ ہو اور پھر ایک بار ان پیسوں کو اٹھانے کے لئے نہ آجائے۔ اس نے چاروں طرف گھوم کر اچھی طرح دیکھا۔ نہ آدم نہ آدم زاد' دور دور تک سناٹا تھا۔ اس بات کا اندیشہ

نہیں تھا کہ کوئی فرشتہ ان پیسوں کو واپس کرنے آجائے گا۔

اس نے مٹھی کھولی پیسوں کو پھینکنے سے پہلے آخری بار انہیں یوں دیکھا جیسے لڑکی کو الوداع کہہ رہا ہو۔ اسی وقت ایک قریبی گلی سے آواز آئی۔

"اندھے محتاج کو خیرات دو بابا..........!"

اس نے مٹھی باندھ لی۔ دماغ نے فوراً ہی کہا۔ آسمان سے کوئی فرشتہ اتر سکتا ہے اور گرے ہوئے پیسے واپس کر سکتا ہے مگر بھکاری کبھی پیسے واپس نہیں کرتے۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا دوسری گلی میں آیا۔ فقیر صدائیں لگاتا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے آواز دی۔

"بابا۔ خیرات لو!"

فقیر رک گیا۔ اس نے قریب آ کر دس روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا۔

"لو بابا۔ آج تک کسی رئیس نے اتنی بڑی خیرات نہیں دی ہو گی۔"

اندھے فقیر نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے نوٹ کو چھوتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا ہے بچہ؟"

"یہ دس روپے کا نوٹ ہے۔"

"کیوں فقیروں کا ریٹ بڑھاتا ہے بچہ۔ آنہ دو آنہ دے دے۔"

"بابا۔ یہ ستر پیسے بھی لو اور یہ دس روپے بھی رکھ لو۔"

اندھے فقیر نے ایک ہاتھ سے ٹٹولتے ہوئے اجنبی کے ہاتھ کو پکڑا پھر رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔ "یہاں آس پاس کوئی ہے؟"

"کوئی نہیں ہے۔"

"کیا تو پہلی بار ادھر آیا ہے؟"

"ہاں۔ بابا!"

"تو پھر گھبرانے کی بات نہیں ہے بچہ۔ دس روپے کیا دیتا ہے سو کا نوٹ نکال۔

میں ابھی بھنا کر لے آؤں گا۔ میں اتنی رات کو اسی لئے صدا لگاتا ہوں۔ تجھ سے پہلے کتنے ہی جعلساز میرے پاس آ چکے ہیں۔ وہ مجھے پچاس روپے پر پانچ روپے اور سو روپے پر دس روپے کمیشن دیتے ہیں۔ میں بڑی آسانی سے جعلی نوٹ بھنا لیتا ہوں۔ اگر پکڑا جاتا ہوں تو پولیس یہ سمجھتی ہے کہ مجھ اندھے کو کوئی بے وقوف بنا کر وہ نوٹ تھما گیا ہے۔ تُو فکر نہ کر نکال سو پچاس کا نوٹ۔ میں اپنا کمیشن رکھ کر تیرے باقی روپے تجھے واپس کر دوں گا۔"

اجنبی نے جھپٹ کر اس سے دس روپے ستر پیسے چھین لئے اور غصے سے کہا۔

"ابے اندھے کے بچے۔ دس روپے کو جعلی کہتا ہے۔ یہ کھری محنت کا کھرا نوٹ ہے۔ ایک تن تنہا لڑکی صبح سے شام تک محنت کرتی ہے' اپنا دماغ کھپاتی ہے' اپنا پسینہ بہاتی ہے' کھڑکی سے لگ کر روتی ہے' اپنے خون کے ایک ایک قطرے سے دس روپے کا نوٹ بناتی ہے۔ مجھ جیسا نوسرباز بھی اس نوٹ کو کھوٹا نہ کر سکا اور تُو اسے جعلی سمجھتا ہے چل بھاگ یہاں سے..........."

اس نے ایک الٹا ہاتھ رسید کیا۔ اندھا لڑکھڑاتا ہوا دور جا کر گر پڑا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ کچھ دور جا کر اس نے سوچا کہ وہ کیا بک رہا تھا؟ لڑکی اس کے دماغ میں کیسے آگئی تھی؟ اس کا دماغ' اس کا دل اور اس کی زبان کیسے بے قابو ہو گئی تھی؟

وہ اچانک رک گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ بلند کئے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور بڑے ہی خشوع و خضوع سے دعا مانگی۔

"میرے مالک! تُو دیکھ رہا ہے۔ میں اتنے بڑے آسمان کے نیچے اکیلا ہوں اور اکیلا رہنا چاہتا ہوں مگر وہ لڑکی میرے اندر بول رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں' جب تک یہ دس روپے ستر پیسے رہیں گے' وہ اسی طرح مجھ بے ایمان کے دل میں ایمانداری کے سکوں کی طرح بجتی رہے گی۔ تُو بڑا رحیم ہے' کریم ہے۔ مجھے بے ایمانی کی توفیق عطا کر اور ان دس روپے ستر پیسوں سے نجات دلا دے۔ آمین! ثم آمین.........."

دعا مانگنے کے بعد حوصلہ بڑھا کہ اب کامیابی نصیب ہو گی۔ اس نے اپنی مٹھی

کھولی۔ ایک خیال آیا کہ کھلے پیسے پھینکے جائیں تو وہ رات کے سناٹے میں کھنکنائیں گے۔ خطرے کی گھنٹی کی طرح بجیں گے۔ انہیں کسی گڑھ میں پھینکنا مناسب ہے' البتہ یہ دس روپے یہیں چھوڑے جاسکتے ہیں۔

وہ ایک مکان کے مین گیٹ کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ستر پیسوں کو بائیں مٹھی میں لیا اور دائیں ہاتھ سے اللہ کا نام لے کر دس روپے کا نوٹ ایک طرف پھینک دیا۔

اسی وقت مین گیٹ کے پیچھے سے کتے نے بھونکنا شروع کیا۔ اجنبی چونک کر اچھلا اور وہاں سے بھاگنے لگا۔ بھاگتے بھاگتے اس نے پلٹ کر دیکھا' کتا مین گیٹ سے نکل رہا تھا۔ وہ اور تیزی سے بھاگنے لگا۔ کتے میں اتنی شرافت تھی کہ وہ بھونک نہیں رہا تھا' صرف دوڑ رہا تھا۔ اگر بھونکنے کے موڈ میں آتا تو آس پاس کے کتنے ہی کتے باجماعت تعاقب شروع کردیتے۔ رات کی خاموشی میں اور ویران گلیوں میں وہ دونوں آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ پھر اس دوڑ میں کتا سبقت لے گیا۔ اس سے آگے نکل گیا۔ آگے جاکر پھر پلٹ گیا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

اجنبی بھی یک لخت ٹھہر گیا اور بُری طرح ہانپتے ہوئے بڑی حیرانی سے اور پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔

اس نے دیکھا کتے کے پیچھے اس کی دم لہرا رہی تھی اور آگے اس کے دانتوں میں دس روپے کا نوٹ ہانپتی ہوئی سانسوں کی زد میں پھڑپھڑا رہا تھا۔

وہ ہارے ہوئے سپاہی کی طرح نڈھال ہوکر کتے کے سامنے پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

وہ دونوں بہت دور سے دوڑتے آئے تھے اور اب کالی رات کی کالی گود میں آمنے سامنے بیٹھ کر کتا انسان کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور انسان کتے کے چہرے کو پہچان رہا تھا۔

کتا بے زبان تھا۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن اس کے دانتوں میں دبا ہوا دس روپے کا نوٹ اجنبی سے کہہ رہا تھا۔

"میں دس روپے کا نوٹ ہوں۔ میرے لئے بیٹا اپنے باپ کو اور بھائی اپنے بھائی

کو قتل کرتا ہے اور میری خاطر عورت پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر تہذیب کی ننگی چھاتی پر ناچتی ہے۔ میں کسی بھی انسانی ہاتھ کے کاؤنٹر پر کیش ہوجاتا ہوں لیکن آج نہیں ہوسکتا کیونکہ میرے کاغذی بدن سے ایک سیمیں بدن کا پسینہ مہک رہا ہے۔ اگر میں رشتے توڑتا ہوں تو جوڑتا بھی ہوں مجھے سمجھو میں صرف محبت کے کاؤنٹر پر کیش ہوسکتا ہوں..........اور اگر میں کیش نہ ہوا تو انسانوں کی دنیا میں پہلی بار کاغذ کا ایک فضول سا ٹکڑا بن کر رہ جاؤں گا.........."

اجنبی اس پھڑپھڑاتے ہوئے نوٹ کو سن رہا تھا اور خاموشی سے کتے کو دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے میں کتے کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اب وہ آنکھیں اجنبی سے کہہ رہی تھیں۔

"میں ایک کتا ہوں۔ جس تھالی میں ایک بار کھاتا ہوں اس گھر کے مالک کو نہیں کاٹتا لیکن تم نے جس گھر میں کھایا' اس گھر والی کو لوٹ کر چلے آئے۔ تعجب ہے ایسے مقام پر انسان کتوں سے تہذیب کیوں نہیں سیکھتا؟ اچھی باتیں سیکھنے کے لئے شرمانا نہیں چاہئے۔

ہم کتوں کی حس بہت تیز ہے۔ ہم صرف مجرموں کی بو سونگھتے ہوئے ان کا پیچھا نہیں کرتے' پیار کی خوشبو کو پہچان کر بھی تم جیسے بے حس انسانوں کا محاسبہ کرتے ہیں۔ اگر میری یہ بات ناقابل یقین ہے تو یقین نہ کرو' صرف اتنا سمجھ لو کہ قدرت کی خوش مذاقی نے ایک کتے کو نامہ بر بنا دیا ہے۔ اس نامے کو ہاتھ میں لو اور کسی لڑکی کے آنسوؤں کو پڑھو.........."

جب تک آنسو کی بوند دل کے صحرا میں نہیں ٹپکتی' اس وقت تک احساسات نہیں جاگتے۔ اجنبی اندر سے جاگ رہا تھا لیکن اس بیداری سے محض اس لئے ہچکچا رہا تھا کہ آج تک اسے کسی رشتے کی محبت نہیں ملی تھی اور نہ ہی اس نے کبھی کسی سے کوئی رشتہ جوڑنے کے متعلق سوچا تھا۔ اپنے والدین کی موت کے بعد بچپن ہی سے اس دنیا کی تمام محبتوں اور نفرتوں سے کٹ گیا تھا۔ اس کے حالات نے اسے اب تک

دوسروں سے صرف چھیننا سکھایا تھا۔ کسی کو گلے لگا کر اپنا سب کچھ اس پر کس لئے قربان کیا جاتا ہے' وہ نہیں جانتا تھا۔

اس نے کتے کے منہ سے دس روپے کا نوٹ لے کر اسے آسمان کی طرف بلند کیا اور شکست خوردہ لہجے میں کہنے لگا۔

"خدایا! یہ کیا تماشہ ہے؟ کیا میرا تنہا رہنا تجھے پسند نہیں تھا؟ ہاں سمجھ گیا تجھے تو آدم کی تنہائی بھی پسند نہیں تھی۔ تُو ابن آدم کو بھی عورت کا روگ لگا کر خوش ہوتا ہے۔ میری کیا مجال کہ میں تیری خوشی سے انکار کرسکوں۔ لے میں یہ دس روپے ستر پیسے اس جیب میں رکھتا ہوں جو میرے دل کے قریب ہے............"

اس نے وہ رقم اوپری جیب میں سینے سے لگا کر رکھی۔ پھر وہاں سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ کتے نے دم ہلاتے ہوئے اپنی آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اس کے بعد مطمئن ہو کر اس کوٹھی کی طرف جانے لگا جس کے سامنے سے وہ دس کا نوٹ اٹھا کر لایا تھا۔

اجنبی نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ ستارے ایک حرماں نصیب دوشیزہ کے آنسوؤں کی طرح جھلملا رہے تھے اور اس کے سامنے جو راستہ دور تک چلا گیا تھا وہ مہمان نواز دوشیزہ کے دل کی طرح سنسان اور تنہا تنہا سا تھا۔ وہ سر جھکا کر بوجھل قدموں سے چلنے لگا۔ یہ سوچ کر اس کا دل بھاری ہو رہا تھا کہ لڑکی اس سے ناراض ہوگئی ہے اور یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کوئی لڑکی اگر ناراض ہو جائے تو اسے کس طرح منانا چاہئے۔ پھر ناراضگی بھی ایسی کہ وہ کھڑکی کے پیچھے اس کا انتظار کرتی تھی' اسے دیکھ کر مسکراتی تھی اور دس روپے ستر پیسے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتی تھی۔ بہت دیر بعد اس کی سمجھ میں آیا کہ لڑکی اس کی نوسربازی سے متنفر تھی۔ اب اسے یہ یقین دلانا تھا کہ وہ کبھی نوسرباز تھا مگر اب عاشق جانباز ہے اور صدقِ دل سے اسے اپنے ہونے والے بچوں کی ماں بنانا چاہتا ہے۔

عورت اور بچوں کے تصور سے اتنی بڑی ویران دنیا کے اندر اس کی اپنی ایک دنیا آباد ہوگئی۔ چشم زدن میں وہ ایک لڑکی کا محبوب' ایک عورت کا خاوند اور کتنے ہی

پیارے پیارے ننھے منے بچوں کا باپ بن گیا۔ اس کی بتیسی نکل آئی تھی۔

اجنبی دوپہر تک لمبی تان کر سوتا رہا۔ وہ اسی طرح غفلت کی نیند سونے کا عادی تھا۔ ہوٹل کے ایک آرام دہ کمرے میں ملائم بستر ہونے کے باوجود وہ ٹھنڈے چکنے فرش پر خراٹے لے رہا تھا۔ اس کی خوابیدہ آنکھوں میں اس وقت وہی منظر تھا کہ اس خالی پلنگ پر لڑکی سو رہی ہے اور وہ نیچے فرش پر ایک پہریدار کی طرح جاگتے جاگتے سو گیا ہے۔

جو کچھ وہ لڑکی کے کمرے میں جاگتی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اور دیکھنے کے باوجود ذہنی پریشانیوں کے باعث انجان بن گیا تھا' اب وہ تمام حسن' خواب کے افق سے طلوع ہو رہا تھا۔ وہ ملائم توشک پر دوسری طرف کروٹ بدل کر سو رہی تھی۔ اجنبی کو اس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ ململ کے چست بلاؤز کے پیچھے انگیا کا بند جھلک رہا تھا۔ انگیا کے تُھرے دونوں بغل سے گزرتے ہوئے پشت پر آ کر ڈیڑھ گرہ میں بندھ گئے تھے اور کسی وقت بھی دو انگلیوں کے خفیف سے جھٹکے سے کھل سکتے تھے۔ بلاؤز کے نیچے اجلی ننگی پیٹھ چمک رہی تھی............ لوچ دار' خم دار کمر نگاہوں کی مٹھی میں آ کر پھسل رہی تھی۔ کولہے کا منہ زور ابھار پھول دار ساڑھی کی قید میں بھی منہ زوری کر رہا تھا۔ ساڑھی ململ کی تھی اور اسے چھپانے کے باوجود ململ سے بدن کی خوبیاں پیش کر رہی تھی۔

وہ تمام تفصیلات اس کے لاشعور سے اُبھر کر بند آنکھوں کے پیچھے روشن ہو رہی تھیں۔ اس نے نیند میں کروٹ لی تو خواب دُھندلا گئے۔ آنکھ کھل گئی لیکن جو کچھ دیکھا تھا' اس کا تاثر قائم رہا۔ اب بھی وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ جس فرش پر وہ لیٹا ہوا ہے' وہ لڑکی کے کمرے کا فرش ہے۔ وہ اس پر لحاف ڈالنے آئی ہے اور وہ ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ رہا ہے۔ اس کا اٹھا ہوا ہاتھ اسے ڈھونڈ رہا ہے۔ کہاں ہے وہ؟ کہاں ہے وہ۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہوٹل کے اس کمرے کو دیکھنے لگا۔ ٹوٹے ہوئے خواب کی کرچیاں اس کی آنکھوں میں چبھ رہی تھیں۔ جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا

اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ آج سے پہلے بھی اس نے کسی لڑکی کو کبھی خواب میں دیکھا ہے۔ اب تک اس کے خوابوں میں تاش کے پتے ناچتے تھے۔ چھوٹے بڑے کرنسی نوٹ اسے پکارتے تھے۔ کبھی وہ نوٹوں کے پیچھے لپکتا تھا' کبھی پولیس کے آگے آگے بھاگتا تھا۔ اب زندگی میں پہلی بار ایک لڑکی اس کے آگے آگے تھی اور اس کی سوچ اور سینے میں آآکر اپنے وجود کا سکہ جما رہی تھی۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر مٹھی بند کی۔ پھر اسے باہر نکال کر کھولا۔ اس کی ہتھیلی پر دس روپے ستر پیسے تھے۔ پچھلی رات ایک کتے نے بھی اسے یہی سمجھایا تھا کہ اگر تم میں آدمی کی طرح سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے تو کتے کی طرح سونگھنے کی حس رکھو۔ ہم کتے بُو کو ٹٹولتے ہوئے مجرموں تک پہنچ جاتے ہیں اور خوشبو کو سونگھتے ہوئے ایک سیدھی سادی لڑکی کے پسینے کو پہچان لیتے ہیں۔ تم کیسے احمق ہو کہ اس لڑکی سے پیچھا چھڑا کر بھاگ رہے ہو۔

پھر وہ بھاگ نہ سکا۔ وہ لڑکی سکہ رائج الوقت بن کر اس کی ہتھیلی پر جمی ہوئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار پیار کی ہوا چلی تھی۔ اس ہوا کی زد میں دل دس روپے کے نوٹ کی طرح پھڑپھڑاتا تھا اور ستر پیسے دماغ میں یوں کھنکتے تھے جیسے چاندی کی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے گھنٹیاں پکار رہی تھیں۔ اس نے دس روپے ستر پیسے جیب میں رکھے اور غسل خانے میں چلا گیا۔ ایک گھنٹے کے بعد غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ کمرے سے باہر آیا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر زینہ تھا جو نیچے ایک تنگ راہداری کی طرف گیا تھا۔ راہداری کے ایک طرف بڑا سا ہال تھا جہاں عام گاہکوں کے لئے میزیں اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اس نے ہال میں پہنچ کر سب سے پہلے وقت دیکھا۔ تین بج رہے تھے۔ لڑکی نے بتایا تھا کہ وہ اسٹاکلو سے شام کو گھر آتی ہے اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ابھی ایک یا دو گھنٹے کے بعد اپنے کارخانے سے نکلے گی۔ اجنبی نے کارخانے کے قریب ہی اس ہوٹل میں کمرہ لیا تھا تاکہ اس سے ملنے میں آسانی رہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک میز کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پھر کھانے کا آرڈر دینے لگا۔ وہ پتے کھیلنے کے لئے کوئی شکار تلاش کر رہا تھا۔ پچھلی رات سے اب تک شکار کھیلنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ وہاں اسے کئی چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آئے۔ اس کی نظریں دور ہی سے ایسے لوگوں کو تاڑ لیتی تھیں۔ وہ لوگ بھی شاید کسی شکار کی تلاش میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اجنبی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی میز پر چلا آیا اور ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"معاف کرنا بھائی۔ میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہاں صدر میں لکی اسٹار ہوٹل کہاں ہے؟"

وہ تعداد میں تین تھے۔ وہ تینوں چند لمحوں تک اجنبی کے قد اور اس کے ڈیل ڈول کو دیکھتے رہے اور سوچتے رہے کہ اس پر ہاتھ صاف کرنا کہیں مہنگا تو نہیں پڑے گا؟ اس کا فولادی جسم' مضبوط ہاتھ' کھردری اور بھدی انگلیاں بتا رہی تھیں کہ کبھی جھگڑے کی نوبت آئی تو وہ تینوں کو ایک ساتھ نچوڑ کر رکھ دے گا لیکن چہرے پر ایسی معصومیت تھی' بلکہ ایسا احمق نظر آرہا تھا جیسے ابھی کسی دور افتادہ دیہات سے چلا آرہا ہو اور شہر والوں کی تکڑم بازیوں اور مکاریوں سے بالکل بے خبر ہو۔ ایک نے ذرا مطمئن ہو کر پوچھا۔ "استاد! کہاں سے آئے ہو؟"

"میں ایک جاگیردار کا لڑکا ہوں۔ چک نمبر بارہ سے آیا ہوں۔ میرا باپ دولت جمع کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا۔ پھر مر گیا۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے میں یہاں شہر کی رنگینیوں میں دولت لٹانے آیا ہوں۔"

تینوں کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ دوسرے شخص نے پوچھا۔

"کچھ تاش واش کا شوق ہے؟"

اجنبی نے خوشی سے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "واہ! تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ میں تین پتی بڑے شوق سے کھیلتا ہوں۔"

"تین پتی؟" وہ تینوں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"ہاں!" اجنبی نے کہا۔ "کیا تم تین پتی نہیں جانتے؟ تمہارے ہی شہر کا ایک آدمی

ایک بار ادھر آیا تھا۔ اس نے مجھے یہ کھیل سکھایا ہے۔ دیکھو اس طرح تین پتے ہوتے ہیں، بادشاہ، بیگم اور غلام۔ دو پتے اس ہتھیلی پر اور ایک پتا اس ہتھیلی پر............"

"بس کرو بھئی، ہمیں نہ سمجھاؤ۔ ہم جانتے ہیں۔ یہ تو نوسربازوں کا کھیل ہے۔ تم رئیس زادے ہو رئیسوں کی طرح فلاش کھیلو۔"

"نہیں!" اجنبی نے کہا۔ "یہ کھیل مجھے راس نہیں آتا۔ میں اکثر ہار جاتا ہوں۔"

اسی وقت بیرا اس کے لئے ناشتہ لے آیا اجنبی نے انہیں کھانے میں شریک ہونے کے لئے کہا۔ مگر انہوں نے انکار کردیا۔ وہ اس فکر میں تھے کہ وہ مالدار اسامی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ ایک شخص نے آخر کہا۔

"اچھا استاد! ایسا کرو دو گھنٹے کا کھیل ہوگا۔ ہم ایک گھنٹے تک تین پتی کھیلیں گے، اس کے بعد تم ایک گھنٹہ فلاش کھیلو گے بولو منظور ہے؟"

اس نے لقمہ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "منظور ہے میں یہاں چار نمبر کمرے میں ٹھہرا ہوا ہوں رات کو نو بجے آجاؤ، پھر جب تک جی چاہے کھیلو۔"

"استاد! نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہئے۔ ابھی چلو کھیل شروع کردیتے ہیں۔"

"نہیں!" اس نے دوسرا لقمہ چباتے ہوئے کہا۔ "ابھی میں لکی اسٹار ہوٹل کی طرف جاؤں گا۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کتنی دور ہے اور کہاں ہے؟"

"ہوٹل سے نکل کر دائیں طرف سیدھے فٹ پاتھ پر چلتے جاؤ۔ آخری موڑ پر لکی اسٹار ہے۔ وہاں ایسا کیا ضروری کام ہے۔ کیا بعد میں نہیں جاسکتے۔"

"نہیں۔ وہاں ایک چھوکری سے ملنا ہے۔"

"اپنا استاد تو رنگیلا ہے۔" تینوں ہنسنے لگے۔ "کیوں ایک چھوکری کے پیچھے جاتے ہو؟ ہمارے سامنے مال رکھو، ہم اسے اٹھا کر تمہارے کمرے میں لے آئیں گے۔"

اجنبی نے کھاتے کھاتے اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھا کر میز پر رکھ دیا اور ان سے کہا۔

"ذرا اس بازو کو چھو کر دیکھو۔ یہ فولاد ہے فولاد۔ ایک کمزور لڑکی کو اٹھانا

مردانگی نہیں ہے۔ تمہارے شہر کا سب سے بڑا بدمعاش کون ہے بتاؤ میں اسے باندھ کر تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔"

وہ تینوں ایک دم سے چپ ہوگئے۔ اس کی بے نیازی، اس کا بھاری بھرکم لہجہ اور اس کی چٹانی جسامت کہہ رہی تھی کہ وہ اجنبی جو کہہ رہا ہے وہ کر گزرے گا۔

اجنبی نے ان پر رعب جما دیا تھا مگر دل ہی دل میں کہہ رہا تھا یہ سالی محبت مرد کو کمزور بنا دیتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ بالشت بھر کی چھوکری مجھے اغوا کر رہی ہے۔ کوئی مجسم عورت کو اٹھا کر لے جاتا ہے، وہ میرے دل ودماغ کو اور میری سوچ کو ورغلا کر اپنے ساتھ لئے جارہی ہے۔

وہ کھانا ختم کرنے کے بعد میز سے اٹھ گیا اور ان تینوں سے رخصتی مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

"کمرہ نمبر چار۔ نو بجے میں انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے استاد۔ آج رات اچھی گزرے گی۔"

وہ رخصت ہو کر کاؤنٹر پر آیا اور بل ادا کرنے کے بعد ہوٹل سے باہر آگیا۔ صدر بازار کے کاروباری ہنگامے عروج پر تھے۔ مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کا میلہ سا لگا ہوا تھا۔ وہ فٹ پاتھ پر آگے بڑھتا چلا گیا۔ بہت آگے جا کر ایک بوڑھی بھکارن نے اس کا راستہ روک لیا۔

"بیٹا! ایک روٹی کھلا دے، اللہ تیرے دل کی مراد پوری کرے گا۔"

دل کی مراد پوری ہونے والی دعا سن کر دل میں فرحت اور تازگی سی محسوس ہوئی۔ اس نے دور اپنی منزل کی طرف دیکھا، جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک روپے کا نوٹ نکال کر بھکارن کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ بوڑھی نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ بھاگتی ہوئی دوسرے بھکاری کے پاس گئی اور اسے بتایا کہ وہ جو لمبا تڑنگا سا آدمی جا رہا ہے اس پر دعا نمبر تین اثر کرتی ہے۔ وہ بھکاری اجنبی کے پیچھے بھاگتا چلا گیا۔ پھر بڑھیا نے دوسرے فٹ پاتھ پر کھڑے بھکاری کو

تین نمبر دعا کا سگنل دیا۔ اس بھکاری نے دوڑ لگاتے ہوئے چند بچوں کو وہی اشارے دیئے اس راستے کے بھکاریوں میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جب اجنبی سڑک پار کرکے اسٹائلو کے قریب پہنچا تو کوئی بھکاری پیچھے آواز لگاتا ہوا آیا کوئی سامنے سے نمودار ہوا۔ چند بچے دائیں گلی سے بھاگتے ہوئے آئے۔ پھر انہوں نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا۔ سب ہی دل کی مرادیں پوری کرنے والی دعائیں دے رہے تھے۔ وہ سب بھکاری تھے، علم نفسیات کیا چیز ہے نہیں جانتے تھے مگر ہر شکاری کی طرح اپنے شکار کو سمجھ لیتے تھے کہ کس پر کون سی دعا اثر کرتی ہے۔

اجنبی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور چاروں طرف گھوم گھوم کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ سب ایک جیسی دعائیں دے رہے تھے مگر ان کے انداز مختلف تھے۔ صرف ایک لفظ "دل" سب کی زبان پر تھا اور اجنبی پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ منزل سامنے تھی۔ کچھ لڑکیاں کارخانے سے باہر نکل رہی تھیں۔ وہ بھی کسی لمحے باہر آنے والی تھی۔ دعائیں نہایت ہی موزوں وقت پر دی جا رہی تھیں۔ وہ دعائیں آسمان تک پہنچیں یا نہ پہنچیں مگر اجنبی کے دل تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ سب ہم زبان ہو کر یقین دلا رہے تھے کہ لڑکی ملے گی۔ لڑکی ضرور ملے گی..........

اس نے خوش ہو کر جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال لیا اور اسے ہاتھ کی بلندی پر لہراتے ہوئے بولا۔

"دس روپے کی ریزگاری نکالو.........."

وہ سب آسمان کی بلندی پر اٹھے ہوئے نوٹ کو للچائی نظروں سے دیکھنے لگے۔ کسی نے کہا، دس کی ریزگاری نہیں ہے۔ کسی نے ہاتھ پھیلا کر کہا، اللہ تمہارا بھلا کرے۔ نوٹ ہمیں دے دو، ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔

فقیروں کی دعائیں قبول ہو رہی تھیں۔ لڑکی فٹ پاتھ پر آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ بھکاریوں کے ہجوم کے باعث اسے گذرنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اجنبی کو اور بھکاریوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی اور اجنبی بتیسی نکال کر اسے

دیکھتا رہا۔ پھر لڑکی ان سے کترا کر سڑک سے گذرنے کے لئے فٹ پاتھ سے اتر گئی۔ اجنبی بھی دس کا نوٹ بلندی پر لہراتا ہوا سڑک پر آگیا۔ نوٹ کے ساتھ ساتھ تمام بھکاری بھی اِدھر سے اُدھر ہو گئے۔ پھر اسی طرح لڑکی کا راستہ رک گیا۔ وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولی۔

"یہ کیا مداریوں کا تماشہ کر رہے ہو، مجھے جانے دو۔"

"تمہارے پاس ایک ایک کے دس نوٹ ہیں؟ ابھی جانے کا راستہ مل جائے گا۔"

"نہیں ہیں میرے پاس۔ جو کچھ تھا تم چھین کر لے گئے۔ اب مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

وہ بھکاریوں کو ہٹاتی ہوئی راستہ بناتی ہوئی گذر گئی۔ اجنبی بھی اس کے پیچھے جانے لگا تو تمام بھکاری بھی آوازیں لگاتے ہوئے پیچھے پڑ گئے۔ وہ رک گیا۔ اپنی اور لڑکی کی ملاقات کو وہ تماشہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔

"دیکھو، میرے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں۔ تم آپس میں یہ دس روپے بانٹ لو۔"

یہ کہہ کر اس نے دس کا نوٹ ہوا میں اچھال دیا۔ نوٹ اڑنے لگا۔ بھکاری اس کے پیچھے بھاگنے لگے۔ لڑکی بھی بھیڑ میں اُڑی جا رہی تھی۔ اجنبی اس کٹی پتنگ کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ کبھی قریب آتا تھا، کبھی لوگوں کے ریلے میں بہہ کر دور چلا جاتا تھا۔ صدر کا چوک پار کرنے تک وہ اسی طرح قریب ہوتا رہا اور بچھڑتا رہا۔ لڑکی نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے چلنے کا محتاط انداز بتا رہا تھا کہ وہ اپنے پیچھے اسے محسوس کرتی جا رہی ہے۔

جب وہ ویران سے فٹ پاتھ پر چلنے لگے تو اجنبی دوڑتا ہوا اس کے پاس آگیا اور ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا تم اب تک ناراض ہو؟ دیکھو، میں نے آج تک کسی لڑکی سے محبت نہیں کی۔ اسی لئے تمہاری ناراضگی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں تمہارے دس روپے ستر پیسے

لے گیا تو تم ناراض ہوگئیں اور جب انہیں واپس کرنے آیا تو اور زیادہ ناراض ہوگئیں۔ قسم سے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے وقت لڑکی ناراض ہوجائے تو اسے کس طرح منانا چاہئے۔ تم مجھے سمجھادو' میں اسی طرح تمہیں منالوں گا۔"

لڑکی کو اس کی سادگی پر بڑا پیار آیا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا' خاموشی سے آگے بڑھتی رہی۔ اس کی باتیں سنتی رہی اور اپنی اہمیت کا اندازہ کرتی رہی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"تم یقین نہیں کروگی' میں کل تمام رات نہیں سوسکا۔ صبح آنکھ لگی تو میں نے تمہیں خواب میں دیکھا۔ کیا تم نے مجھے دیکھا تھا؟ مگر تم کیسے دیکھو گی' تم تو ناراض ہو۔ میں نے کسی سے سنا تھا کہ عورت کو پہچاننا بہت مشکل ہے' وہ باہر سے کچھ ہوتی ہے اور اندر سے کچھ ہوتی ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ تم عورت بھی نہیں ہو۔"

وہ چلتے چلتے رک گئی اور گھور کر بولی۔ "عورت نہیں ہوں؟"

"نہیں!"

"تمہیں کیا نظر آتی ہوں؟"

اس نے ایک انگلی دکھا کر کہا۔ "اتنی سی لڑکی۔ ننھی سی بچی۔ یہ دیکھو میرے سامنے کھڑی ہو تو بالشت بھر کی لگتی ہو۔ میں ابھی تمہیں پھول کی طرح اٹھا کر اس اوپر والی جیب میں رکھ سکتا ہوں۔ اس طرح تم میرے سینے سے لگی رہو گی۔"

سینے سے لگنے والی بات پر وہ اس کے چٹان جیسے پھیلے ہوئے سینے کو تکنے لگی۔ اس کی بلند قامتی اور پہاڑ جیسے بھاری بھرکم وجود کو خوابیدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اگر وہ ایک بار اسے بازوؤں میں بھرلیتا تو وہ چیونٹی کی طرح پس کر رہ جاتی۔ اس کا کچومر ہی نکل جاتا لیکن فطرتاً عورتیں اور چیونٹیاں اونچی دیواروں اور فلک بوس پہاڑوں کے وجود تلے رینگتے رہنا پسند کرتی ہیں۔ وہ بے اختیار خوابیدہ لہجے میں بولی۔

"تم کیا جانو' میں بھی کل رات سو نہ سکی۔ تم نے مجھے بہت رُلایا ہے۔ بہت رُلایا ہے............"

وہ جلدی سے آگے بڑھ گئی۔ اجنبی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کے ساتھ ہوگیا۔

"تم کیوں رو رہی تھیں۔ میں نے تمہیں نہیں رُلایا تھا میں تو تمہیں منانے آیا تھا۔"

"کیا اسی طرح منایا جاتا ہے؟ کل رات میں سمجھی تھی کہ تم میرے لئے' صرف میرے لئے واپس آئے ہو مگر تم رحم دل نوسرباز بن کر دس روپے ستر پیسے واپس کرنے آئے تھے۔ تم نوسرباز ہو۔ صرف تاش کے پتے پہچانتے ہو' عورت کے دل کا ایک پتا تمہاری سمجھ میں نہیں آتا مگر.......... مگر میں تو عورت نہیں ہوں' ایک بچی ہوں۔ میرے پیچھے کیوں آرہے ہو؟ جاؤ یہاں سے۔"

"کیسے جاؤں؟" وہ جھلا کر بولا۔ "یہ جو دل ہے نا سینے کے اندر' یہ سالا تمہارے پیچھے پیچھے آنے پر مجبور کرتا ہے۔ نہیں تو میں کوئی گرا پڑا آدمی نہیں ہوں۔ کل رات سے کوشش کر رہا ہوں کہ کسی طرح تمہارے خیال سے پیچھا چھوٹ جائے مگر سالے اس شہر کے کتے بھی تمہارے رشتے دار ہیں' مجھے گھیر کر تمہارے پاس آنے پر مجبور کرتے ہیں۔"

وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں بولی۔ "اے منہ سنبھال کر بات کرو۔ کتے تمہارے رشتے دار ہوں گے۔ کیا تم جھگڑا کرنا چاہتے ہو؟"

"ن۔ نہیں۔ میں جھگڑا کرنے نہیں آیا ہوں۔ دیکھو تم پھر ناراض ہو رہی ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ میں نے آج تک عورت کی خوشامد نہیں کی۔ خوشامد تو دور کی بات ہے' میں نے کبھی عورت ذات کو منہ نہیں لگایا۔ اب ذرا دل سے مجبور ہو کر تمہیں منا رہا ہوں تو تم مزاج دکھا رہی ہو۔ میرا ایک دوست ٹھیک ہی کہتا تھا کہ عورت کو مناؤ تو وہ جلیبی کی طرح اپنے اندر گھوم جاتی ہے اور ذرا خوشامد کرو تو امرتی کی طرح پیچدار ہو جاتی ہے اور جوتے مارو تو بالکل سیدھی ہو جاتی ہے۔"

وہ ایک دم سے بھڑک گئی' جھنجلا کر پاؤں پٹختی ہوئی بولی۔

"جیسے تم جاہل ہو' ویسے تمہارے دوست جاہل ہیں اور تم لوگوں کو ویسی ہی جاہل

عورتیں ملی ہوں گی۔ ہمت ہے تو ذرا مجھے ہاتھ لگا کر دیکھو۔ یہ میرا بند کمرہ نہیں ہے' جہاں تم نے مجھے اکیلی پا کر رعب جمایا تھا۔ یہاں میں ایک آواز دوں گی تو میری حمایت کرنے والے ہزاروں آجائیں گے تم جیسے مرد صرف تنہائی میں شیر ہوتے ہیں۔ اگر میری بھی حمایت کرنے والا کوئی ہو تو............"

بات پوری ہونے سے پہلے ہی اجنبی نے ایک زور کا تھپڑ رسید کردیا۔ تڑاخ کی ایک آواز کے ساتھ اس کا منہ گھوم گیا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی پچھلی دیوار سے ٹکرا گئی۔

"کون ہے تمہارا حمایتی؟ بلاؤ! آواز دو! میں ایک ایک کا خون پی جاؤں گا جو میرے اور تمہارے درمیان آئے گا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہارا حمایتی ہوں۔ میں تمہارا محافظ ہوں۔ میں تمہیں مار سکتا ہوں اور میں ہی تمہیں پیار کرسکتا ہوں۔ کسی سالے نے تمہیں پیار سے دیکھا تو میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا۔ اس طمانچے کو یاد رکھنا میں صرف تنہائی میں نہیں' سربازار بھی تمہیں مارنے کا حق دار ہوں.........."

اتنی دیر میں کچھ لوگ آس پاس جمع ہوگئے تھے۔ دو بوڑھی عورتیں لڑکی کو سنبھال رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بے ہوش ہوگئی ہے' حقیقتاً وہ بے ہوش تو نہیں ہوئی تھی البتہ اس کے ہوش گم ہوگئے تھے۔ ایسا زبردست تھپڑ تھا کہ ایک مالک و مختار اور ایک حاکم کی بربریت و تشدد آمیز محبت کا نشہ چھا رہا تھا۔ سر گھوم رہا تھا' آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ جہاں طمانچہ پڑا تھا وہ رخسار آگ کی طرح جل رہا تھا۔ چہرے کی ہڈیاں دکھ رہی تھیں اور وہ ظالم اپنی محبت اور حق جتا رہا تھا۔

ایک شخص نے چیخ کر کہا۔

"پکڑو اس بدمعاش کو۔ راستہ چلتی لڑکی کو مارتا ہے۔ ابے یہ تیری کون لگتی ہے؟"

"میری گھر والی ہے۔" اس نے گرج کر کہا اور دونوں ہاتھوں سے بھیڑ کو ہٹاتا ہوا اس طرح وہاں سے جانے لگا جیسے مکھیاں اڑاتا جا رہا ہو۔ وہاں کھڑے ہوئے لوگ

اس آسرے میں تھے کہ کوئی آگے بڑھ کر اس دیو کو روکے گا تو ہم بھی اس کا ساتھ دیں گے مگر کوئی پہلے نہیں گیا۔ سب پیچھے رہے۔ اتنے میں لڑکی دونوں بوڑھیوں کے سہارے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے دور جاتے ہوئے اجنبی کو دیکھا تو ایک بوڑھی نے پوچھا۔

"کیا وہ تمہارا خاوند ہے؟"

لڑکی نے سوچا' کیا جواب دے؟ وہ ایسا ویسا مرد نہیں تھا صرف تنہائی میں رعب نہیں جماتا تھا' سربازار اپنا حق جتاتا تھا۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ پھر بوجھل سے قدم اٹھاتی ہوئی وہاں سے جانے لگی۔

اجنبی خاموشی سے چلا جا رہا تھا۔ وہ بظاہر خاموش مگر اندر سے بے چین تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار لڑکی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ طمانچہ کھانے کے بعد وہ کیسے سرخ ہوگئی تھی۔ ننھی بچی کی طرح سہم گئی تھی۔ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دیدے یوں پھیل گئے تھے جیسے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔ آہ! یہ کیسے ہوگیا؟ یہ ہاتھ اس پر کیسے اٹھ گیا؟ اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ مرد تنہائی میں شیر ہوتے ہیں اور وہ اپنی مردانگی دکھانے کے لئے بیچ بازار میں ایک حماقت کر بیٹھا۔ یہ تو کوئی مردانگی نہیں ہے۔ مرد تو اسے کہتے ہیں جو اپنے ہم پلہ مرد سے مقابلہ کرتا ہے۔ دراصل مردانگی ثابت کرتے وقت اس سے غلطی ہوگئی تھی۔ اب اس کے دل کی بے چینی اور ندامت کا احساس اسی طرح دور ہوسکتا تھا کہ وہ کسی گبرو جوان کا مقابلہ کرتا۔

وہ چلتے چلتے ایک ہٹے کٹے آدمی سے ٹکرا گیا۔ پھر فوراً ہی پینترا بدل کر مقابلے کے لئے ڈٹ گیا۔ اس آدمی نے اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

"معاف کرنا بھائی' میں غلطی سے ٹکرا گیا تھا۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ اجنبی حقارت سے اسے دیکھنے لگا۔ دل کی بے چینی اور بڑھ گئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر تلملا رہا تھا۔ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کس سے ٹکرائے؟ وہ بھیڑ میں دندناتا ہوا گھس گیا اور لوگوں کو اِدھر اُدھر دھکے دیتا ہوا' راستہ

بناتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ لوگوں نے اس کی اس زیادتی کو شرافت سے برداشت کرلیا' کچھ لوگوں نے غصے سے پلٹ کر دیکھا لیکن اس کے ڈیل ڈول کو دیکھتے ہی زیر لب اسے گالیاں دے کر صبر کرلیا۔ وہ ایک راستے سے طوفان کی طرح بہتا چلا گیا مگر نہ تو کسی نے اسے للکارا اور نہ ہی وہ کسی مرد کو مقابلے کے لئے آمادہ کرسکا............

لیکن مقابلہ ضروری تھا۔ لڑکی پر ہاتھ اٹھا کر اس نے جو غلطی کی تھی' اس کی تلافی اسی طرح ممکن تھی کہ وہ اپنے جیسے کسی شہ زور کی پٹائی کردیتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح خود بھی پٹ جاتا لیکن لڑکی کی باتوں کا وزن معلوم ہوجاتا کہ وہ صرف تنہائی میں ایک کمزور لڑکی سے سامنے شیر ہے یا کھلے عام مردوں سے بھی مقابلہ کرسکتا ہے۔

آخر ریگل کے بس اسٹاپ پر اسے ایک پہلوان نظر آگیا۔ اجنبی کی طرح وہ سطح سمندر سے سوا چھ فٹ بلند تھا۔ چٹان کی طرح چوڑا سینہ' فولاد کی طرح مضبوط جسم پر ململ کا کُرتہ کِھل رہا تھا۔ ریشمی سنہری پاڑھ والی لنگی جھلملا رہی تھی۔ پہلوانی شان میں اضافہ کررہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک خوبصورت' جوان اور صحت مند عورت ایک ادائے ناز سے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اتنی حسین تھی کہ لوگ نظر اٹھا کر اسے دیکھنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ پھر فوراً ہی نظریں جھکا کر گزر جاتے تھے کیونکہ اس حسینہ کا محافظ ایک پہلوان تھا۔

اجنبی نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ فوراً ہی اس کے ذہن میں یہ ترکیب آئی کہ سیدھے پہلوان سے نہیں ٹکرانا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح اسے ٹال دے' یا ایک عورت کی موجودگی میں لڑنا جھگڑنا پسند نہ کرے۔ اسے مقابلے پر آمادہ کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ عورت کو چھیڑے اور پہلوان کی غیرت کو للکارے۔ یہ درست ہے کہ دوسرے لوگ پہلوان کی طرف سے اس کی حجامت بنانے چلے آتے لیکن جتنی دیر میں لوگ جھگڑے کی نوعیت کو سمجھتے' وہ پہلوان کو دو چار لرارے ہاتھ جما دیتا۔ اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرلیتا۔ یہ ترکیب ذہن میں آتے ہی اس نے اس حسین عورت کو دیکھا۔ وہ پہلوان سے آہستہ آہستہ باتیں کررہی تھی۔ بس یہی

موقعہ مناسب تھا وہ ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے بڑھا۔ ان کے سامنے ایک ذرا رکا' پھر حسینہ کے شانے کو دھکا مارتے ہوئے دو قدم آگے گیا اور فوراً گھوم کر مقابلے کے لئے ڈٹ گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں پہلوان مرنے مارنے پر آمادہ ہوجاتا۔

لیکن خلافِ توقع بازی پلٹ گئی۔ پہلوان دوسری طرف گھوم کر سگریٹ کے کش لگانے لگا۔ اس حسینہ نے ذرا اِدھر اُدھر محتاط نظروں سے دیکھا پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اجنبی کے قریب آئی اور ایک ادائے ناز سے تبسم کی بجلیاں گراتی ہوئی بولی۔

"چلو!"

اجنبی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں چلو؟ وہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر کبھی اسے اور کبھی پہلوان کو دیکھنے لگا' جس کی اب پیٹھ نظر آرہی تھی۔ حسینہ نے بات آگے بڑھائی۔

"رات بھر کے سو روپے۔ پیشگی رقم میرے بھائی کو دے دو۔ پھر صبح مجھے اسی جگہ لاکے چھوڑ دینا............"

ساری باتیں سمجھ میں آگئیں۔ وہ یک بیک اچھل کر پلٹ گیا اور پلٹ کر تیزی سے بھاگتا چلا گیا۔ ایسے راستے پر بھاگتا گیا جہاں بھیڑ کم تھی' رکاوٹیں زیادہ نہیں تھیں۔ وہ حسینہ نہ اس کی طرح دوڑ لگا کر پیچھا کرسکتی تھی نہ اس کا راستہ روک کر اور خم ٹھونک کر کہہ سکتی تھی۔ "ارے کیا مردوں کو للکارتا ہے' ہمت ہے تو چل آ' عورت سے مقابلہ کر............"

اس عورت نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کے ایک تبسم نے ہی اسے میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ بھاگتے بھاگتے فریئر مارکیٹ میں آکر ذرا دم لینے کے لئے رکا اور دکان کے بند دروازے سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگا۔ ذرا دیر میں سانس درست ہوگئی۔ وہ حسینہ دماغ سے نکل گئی۔ اس دماغ کی لامحدود دنیا میں صرف ایک لڑکی کا سکہ چلتا تھا اس لئے پھر وہی بے چینی ستانے لگی کہ اس نے ایک کمزور لڑکی پر ہاتھ اٹھایا ہے' لہٰذا مردانگی ثابت کرنے کے لئے اب کسی مرد پر ہاتھ اٹھانا ضروری ہے۔ ورنہ آج رات پھر نیند نہیں آئے گی۔

وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کوئی کام کا مرد نظر نہیں آیا۔ فریئر مارکیٹ کا وہ حصہ اکثر ویران ہی رہتا تھا۔ دکانیں بند رہتی تھیں۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی برائے نام تھی۔ وہ مایوس ہو کر آگے بڑھ گیا۔ اسی وقت دکان کے دوسری طرف سے وہ تینوں بدمعاش باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ اجنبی کو دیکھتے ہی ایک نے خوشی سے اچھل کر کہا۔

"جیو استاد۔ ابھی ہم تمہاری باتیں کر رہے تھے۔ اب تو اندھیرا ہو چلا ہے۔ چلو کمرے میں بازی جمائیں گے۔"

وہ کہتا ہوا آگے بڑھا مگر قریب پہنچتے ہی اجنبی کا ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ اچھل کر پیچھے اپنے ساتھیوں کے قدموں میں آ گرا۔ اس کے دونوں ساتھی بھنا گئے۔ دونوں نے ایک ساتھ اس پر چھلانگ لگائی اس نے ایک کو ایک ہاتھ سے روکا' دوسرے کے سر پر اتنے زور کی تھاپ لگائی کہ وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گیا۔ جسے ایک ہاتھ سے روکا تھا' وہ ہوا میں گھونسے چلا رہا تھا مگر اجنبی کے ہاتھ اتنے لمبے تھے کہ دشمن کے گھونسے اس تک نہیں پہنچ رہے تھے۔ اس نے پاؤں سے ٹھوکریں مارنے کی کوشش کی لیکن وہ ٹھوکریں بھی خالی گئیں۔ اجنبی اسے ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے ساتھیوں کی مرمت کر رہا تھا۔ جب وہ اچھی طرح مار کھا کر لمبے لیٹ گئے تو اس نے تیسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ تیسرا شخص عورتوں سے بھی گیا گزرا ثابت ہوا۔ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھتے ہی رونے لگا' دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگھیانے لگا۔ اجنبی نے اسے پرے دھتکار دیا۔ پھر اک شانِ بے نیازی سے چلتا ہوا فریئر مارکیٹ سے باہر آ گیا۔

بہت دور تک فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے خود کو سمجھاتا رہا کہ اس نے مردانگی ثابت کر دی ہے' اب دماغ کا بوجھ ہلکا ہونا چاہئے۔ دل کی بے چینی دور ہونی چاہئے لیکن نہیں' پھر بھی کچھ باقی رہ گیا تھا۔ کوئی اس کے دل کو اپنی مٹھی میں لے کر متھ رہا تھا۔ اس کے سر پر اور اس کے کاندھوں پر ایسا بوجھ تھا جیسے وہ خود اپنی لاش اٹھائے جا رہا

ہو۔ چشم تصور میں پھر وہی صورت گھوم رہی تھی۔ طمانچہ کھانے کے بعد اس کا بایاں رخسار انگارے کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ وہ سہمی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دیدے یوں پھیل گئے تھے جیسے آنکھیں بے نور ہو گئی ہوں۔

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے ندامت کی شدت سے تھپڑ مارنے والے ہاتھ کو اٹھایا اور سامنے الیکٹرک پول کو ایک زور کا طمانچہ رسید کر دیا بجلی کا آہنی کھمبا جھنجلاہٹ کی دھیمی آواز سے بجنے لگا۔ اس کی ہتھیلی کو بھی ایسی چوٹ پہنچی جو عام حالات میں ناقابلِ برداشت ہوتی لیکن وہ برداشت کر گیا۔ اس کی تسلی نہ ہوئی۔ دل کہہ رہا تھا کہ لڑکی کو اس سے زیادہ چوٹ پہنچی ہے۔

ایک گھنٹے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو اس کے ہاتھ میں ایک موم بتی اور ایک ماچس کی ڈبیہ تھی۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ کمرے کے وسط میں آ کر فرش پر دو زانو ہو گیا جیسے عبادت کرنے کا ارادہ ہو۔ پھر اس نے موم بتی جلا کر فرش پر کھڑی کر دی۔ اس کے بعد اس نے تھپڑ مارنے والے ہاتھ کی ہتھیلی کو زور سے فرش پر مار کر کہا۔

"بول اُلو کے پٹھے' تُو نے اسے کیوں مارا تھا؟ تُو سمجھتا تھا کہ میں تجھے اس لئے چھوڑ دوں گا کہ تُو میرا ہاتھ ہے؟ ارے اس سزا کے بعد بھی اس نے تجھے معاف نہ کیا تو میں تجھے کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی ہتھیلی کو شمع کی جلتی ہوئی لو پر رکھ دیا۔ ننھی سی لو نے ہتھیلی کو چھو لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس آگ کی جلن سارے جسم میں پھیلنے لگی۔ وہ خود کو سمجھانے لگا۔

"یہ جلن کچھ نہیں ہے اس ہتھیلی سے زیادہ اس بے چاری کا دل جل رہا ہو گا۔ سالے کبھی تیرے باپ نے بھی محبت کی تھی۔ میں تجھے جلا کر راکھ کر دوں گا۔"

ہتھیلی جلتی رہی' دماغ جلتا رہا۔ بدن کی رگ رگ میں موم بتی کی آگ بہتی رہی۔ اس دنیا میں جو سب سے زیادہ لرزہ خیز اور دہشت انگیز عذاب ہے' وہ آگ ہے۔ اسی

لئے انسان کو ازل سے جہنم کی آگ سے ڈرایا جاتا ہے اور قیامت تک ڈرایا جاتا رہے گا۔ لہٰذا آگ کیسے جلاتی ہے' یہ ہر انسان جانتا ہے' اور اجنبی بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ لڑکی کو تکلیف پہنچانے کے جرم میں جہنم کی آگ سے کھیل رہا ہے۔

وہ جلن ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ دانت پر دانت جمائے برداشت کر رہا تھا۔ ایک بار اس کی ہتھیلی بے اختیار شمع کی لو سے ہٹ گئی۔ اس نے فوراً ہی دوسرے ہاتھ سے اسے پکڑ کر پھر آگ پر رکھ دیا۔

"سالے کہاں بھاگتا ہے۔ میں تجھے اتنی سزا دوں گا اتنی سزا دوں گا کہ پھر کبھی میری محبت کو طمانچہ نہیں مارے گا۔"

وہ لفظوں کو بڑی مشکل سے ادا کر رہا تھا۔ آواز کانپ رہی تھی۔ زبان خشک ہو رہی تھی۔ پانی۔ پانی۔ پانی۔ نہیں' تجھے پانی بھی نہیں ملے گا۔ وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ وہ دانت کچکچا رہا تھا اور بڑے کرب سے کراہتا ہوا سجدے میں جھکتا جا رہا تھا۔

وہ نڈھال سا ہو کر فرش پر لیٹ گیا۔ لیٹنے کے دوران وہ ہتھیلی پھر آگ پر سے ہٹ گئی۔ اس نے اپنے ظالم ہاتھ کو گالی دینا چاہی مگر حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا اس اندھیرے میں لڑکی کا چہرہ شمع کی لَو کی طرح سلگ رہا تھا۔ وہ ایک چہرہ تھا مگر کئی جگہ روشن تھا۔ وہ ہر سلگتے ہوئے چہرے پر اس ہتھیلی کو رکھ رہا تھا لیکن جلتی ہوئی لَو تک اس کی ہتھیلی نہیں پہنچ رہی تھی' اِدھر سے اُدھر بھٹک رہی تھی۔ پھر وہ ٹھیک آگ پر گر پڑی۔ آگ بجھ گئی۔ کمرے میں تاریکی چھا گئی۔ اس تاریکی میں وہ زخمی درندے کی طرح غرا رہا تھا اور نیم بے ہوشی کی حالت میں کراہ رہا تھا۔

☆------☆------☆

وہ مکان کے دروازے پر پہنچی تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ طمانچہ کھائے ہوئے رخسار کی سوجن کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ سیدھی کمرے میں آئی اور دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے سب سے پہلے لائٹ آن کر کے سنگھار میز کے آئینے کے سامنے پہنچی۔ عورت ہر ناگہانی حادثے کے بعد سب سے پہلے اپنے چہرے کو ٹٹول کر دیکھتی ہے کیونکہ مرد چہرے کا سائن بورڈ پہلے پڑھتا ہے' پھر دکان کا باقی مال دیکھتا ہے۔

آئینے میں اس کا چہرہ بدلا ہوا نظر آیا۔ ایک طرف کا گال پھول گیا تھا اور اس طرف کی ایک آنکھ اندر کو دھنسی ہوئی تھی۔ اپنا یہ حلیہ دیکھ کر وہ بے اختیار رونے لگی۔ اجنبی کو کوسنے اور گالیاں دینے لگی۔ پھر وہ پلنگ پر آ کر گر پڑی۔ اسے کوئی سینے سے لگا کر تسلی دینے والا نہ تھا۔ اس لئے وہ تکیے کو سینے سے لگا کر روتی رہی۔

آخر وہ کب تک آنسو بہا سکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد آنسوؤں کا سیلاب تھمنے لگا۔ وہ پھر پلنگ سے اٹھ کر آئینے کے سامنے آ گئی اور سوچنے لگی کہ یہ سوجن کیسے دور کی جائے۔ اس رخسار پر ظالم کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اپنے چہرے پر یہ نشانات سجائے وہ کل صبح ڈیوٹی پر نہیں جا سکتی تھی مگر جانا بھی ضروری تھا کیونکہ تنخواہ ملنے والی تھی۔ اس کے پرس میں صرف دو چار روپے رہ گئے تھے لہٰذا کل وہ گھر میں قید رہ کر ان نشانات کے مٹنے کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

کچھ سوچ کر وہ لکھنے کی میز کے پاس آئی۔ میز کے نیچے کچھ کتابیں اور خواتین کے

رسالے ترتیب سے ایک انبار کی صورت میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ محض دلچسپ کہانیاں پڑھنے کے لئے ہر ماہ وہ رسالہ خریدا کرتی تھی۔ اب اسے خیال آیا کہ وہ "رسالہ" اس کی ذہنی الجھنیں بھی دور کرسکتا ہے اور چہرے کے داغ دھبے مٹانے کی تدبیریں بھی بتا سکتا ہے۔ وہ یکے بعد دیگرے تمام رسالوں کی ورق گردانی کرنے لگی۔ کتنے ہی اوراق میں کتنے ہی نسخے تھے۔ چہرے کی سوجن بھی دور ہوسکتی تھی۔ انگلیوں کے نشانات بھی مٹائے جاسکتے تھے لیکن اس مقصد کے لئے کچھ کریموں' لوشنوں اور دواؤں کی ضرورت تھی اور اس کے پرس میں پیسے نہیں تھے۔ پھر یہ کہ ان دواؤں کو ہاون دستے میں کوٹنا تھا کسی کو روغن میں حل کرنا تھا' کسی کو پانی میں جوش دینا تھا اور کسی کو سل پر پیسنا تھا۔

وہ کسی ایسے نسخے پر عمل نہ کرسکی جو دردِ سر بن جاتا یا جس میں پیسے خرچ ہوتے۔ آسان نسخے کے مطابق وہ گرم پانی میں کپڑے کو بھگو کر اپنے رخسار کو سینکتی رہی۔ اس کے بعد وہ چہرے کے متاثرہ حصوں پر کولڈ کریم کی لیپ چڑھا کر بستر پر آگئی۔ رات کا کھانا کھانے کی سکت نہیں تھی۔ رخسار کی ہڈی دکھ رہی تھی اور نچلی داڑھ ہلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

بستر پر لیٹتے ہی تھکن غالب آگئی۔ پتہ نہیں وہ کیسا طمانچہ تھا جو اب اسے تھپک تھپک کر سلا رہا تھا۔ غنودگی کے عالم میں اس کے ذہن نے سوچا کہ آج سے تقریباً نو دس برس پہلے اس کی ماں نے اسے مارا تھا۔ کیوں مارا تھا؟ اس لئے کہ کوئی رشتہ تھا۔ کوئی محبت تھی جو مارنے کا بھی حق رکھتی ہے۔ آج برسوں کے بعد اجنبی نے مارا تھا۔ کیوں مارا تھا؟ اس لئے کہ اس نے بھی کسی رشتے کا اظہار کیا تھا اسے یاد ہے' وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارا محافظ ہوں۔ میں تمہیں مار سکتا ہوں' میں ہی تمہیں پیار کرسکتا ہوں کسی سالے نے تمہیں پیار سے دیکھا تو میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا.........

اس ظالم کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ میں پیار کا بے پناہ اظہار تھا۔ وہ اسے اپنا سمجھ رہا تھا' اس پر اپنا صرف اپنا حق جتا رہا تھا اور اس کی مرضی معلوم کئے بغیر

اس کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کر رہا تھا۔ وہ سوچتے سوچتے سو گئی۔

صبح دودھ والے کی آواز نے اسے جگایا اس نے دروازہ کھول کر دودھ لیتے وقت اپنے چہرے کو اس زاویے پر رکھا کہ دودھ والے کو اس کا متاثرہ رخسار نظر نہ آئے۔ اس کے بعد اس نے دروازے کو بند کیا' دودھ کو چولہے پر چڑھایا' پھر غسل خانے میں چلی گئی۔ وہاں سے واپس آکر اس نے دودھ میں دلیا پکایا۔ جبڑوں کی تکلیف کم ہوگئی تھی' پھر بھی چبانے کی بجائے نگل جانے والی غذا مفید تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر اس نے لباس تبدیل کیا' کنگھی کی۔ پھر ابٹن کو تھوڑے سے پانی میں گھول کر اپنے رخسار پر لیپ چڑھائی۔ اس طرح انگلیوں کے نشانات چھپ گئے لیکن اس طرح وہ کارٹون نظر آرہی تھی۔ چہرے کے اس عیب کو چھپانے کے لئے برقعہ پہننا ضروری تھا۔ پلنگ کے نیچے صندوق کے اندر جو کباڑ جمع ہوگیا تھا اس میں ایک برقعہ بھی تھا۔ اس نے وہ برقعہ نکال کر اس پر استری چلائی۔ اس کے کس بل نکالے اور اسے پہن کر آئینے کے سامنے آگئی۔ وہ برقعے میں چھپ گئی تھی۔ چہرے کے تمام عیب بھی چھپ گئے تھے۔ صرف دو آنکھیں اور نصف پیشانی نظر آرہی تھی۔

وہ مطمئن ہو کر باہر آگئی۔ باہر سے دروازے کو لاک کرتے وقت مکان مالکہ نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے قریب آکر حیرت سے پوچھا۔

"یہ تم ہو؟ میں سمجھی نہ جانے کون برقعے والی تمہارے دروازے پر کھڑی ہے۔ یہ تم نے برقعہ اوڑھنا کب سے شروع کیا ہے؟"

"جی۔ بس۔ آج ہی سے............"

وہ پیچھا چھڑا کر جانا چاہتی تھی۔ مکان کی مالکہ نے اس کے بازو کو تھام کر کہا۔

"ٹھہرو۔ یہ تمہاری آنکھ میں ورم کیسے آگیا؟ کیا تکلیف ہے تمہیں؟"

"جی کچھ نہیں۔ رات کو میں فرش پر سوئی تھی' کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔"

"ہوں!" اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ "اسی لئے تم نے چہرے کے باقی حصے کو چھپا لیا ہے؟"

"جی۔ جی ہاں!"

وہ ایک گہری سانس لے کر افسوس کا اظہار کرنے لگی۔

"میری جتنی کرائے دار لڑکیاں ہیں' ان کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔ کیڑے رات کو آتے ہیں اور صبح نشانات چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔"

وہ جلدی سے اپنا بازو چھڑا کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی مکان سے باہر آگئی۔ وہ مکان کی مالکہ سے یہ نہ کہہ سکی کہ وہ غلط سوچ رہی ہے۔ پچھلی رات اس کے کمرے میں کوئی نہیں آیا تھا۔ اس نے اقرار نہیں کیا' اس نے انکار بھی نہیں کیا۔ اس کی خاموشی اقرار بن گئی تھی۔ نہ جانے کیوں مکان کی مالکہ نے جو کچھ کہا تھا' اسے اچھا لگا۔ بہت اچھا لگا۔ اس الزام سے یہ ثابت ہوگیا کہ اب وہ اس دنیا میں تنہا نہیں ہے۔ کوئی اسے کاٹنے والا بھی ہے۔

وہ اپنے کارخانے کے قریب پہنچی تو وہاں دروازے کے قریب اجنبی کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب تھے۔ لڑکی کو دیکھتے ہی اس نے ندامت سے سر جھکا لیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گئی تھی۔ اس کی موجودگی بتا رہی تھی کہ وہ کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ وہ بھی کب یہ چاہتی تھی کہ وہ اسے چھوڑ دے اور منہ موڑ کر چلا جائے مگر اس نے جو زیادتی کی تھی' اس کے ردِ عمل میں ناراضگی ظاہر کرنا ضروری تھا۔ مرد سے جب تک اچھی طرح خوشامدیں نہ کراؤ' اس وقت تک اسے اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ دنیا کی کوئی عورت خوشامد کے پہلے مرحلے میں راضی نہیں ہوتی' پھر وہ کیسے راضی ہو جاتی اس لئے پاؤں پٹخ کر ٹھنٹھناتی ہوئی' اس کے سامنے سے گزرتی ہوئی کارخانے کے اندر چلی گئی۔

کارخانے کی سب ہی عورتوں نے اس کے برقعے کو حیرانی سے دیکھا اور حیرانی سے سوال کیا۔ اس نے وہی ایک جواب دیا کہ رات کو کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ عورتوں سے کیا پردہ ہو سکتا ہے؟ اس نے نقاب ہٹا کر اپنا چہرہ دکھایا۔ ابٹن کی لیپ نے انگلیوں کے نشانات چھپا دیئے تھے' پھر بھی عورتوں نے اپنے اپنے طور پر کہانیاں گھڑ

لیں۔ سب ہی اس کی پیٹھ پیچھے چٹخارے لے لے کر سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کیڑے نے کاٹنے سے پہلے اچھی جگہ چن لی تھی۔

وہ سرگوشیاں لڑکی کے کانوں تک پہنچتی رہیں اور اسے یاد آتا رہا کہ باہر کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے۔ اگر ان عورتوں نے اسے دیکھ لیا تو انہیں اس کیڑے کا حدود اربعہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ اس نے باس کے پاس آکر کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' مجھے دو دن کی چھٹی دے دیجئے۔ میں ابھی ڈاکٹر کے پاس جاؤں گی۔"

باس نے میز کی دراز کھول کر اس کی تنخواہ کے ساڑھے پانچ سو روپے گنے اور اس کے آگے وہ روپے رکھتے ہوئے بولا۔

"بے بی! تم بہت اچھی ہو۔ تم نے گارمنٹس کی دنیا میں اتنے خوبصورت ڈیزائن دیئے ہیں جو کبھی فراموش نہیں کئے جاسکتے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی وجہ سے تباہ ہو جاؤ۔ تم میرا ایک مشورہ مانو گی؟"

"فرمائیے۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ آپ کی بات ضرور مانوں گی۔"

اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔

"بے بی! پتہ نہیں کیوں آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم جوان ہوگئی ہو۔ تم میری بیٹی جیسی ہو اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمہارے چہرے پر ابٹن کیا کہہ رہا ہے۔ بہرحال میرا مشورہ ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے شادی کرلو۔ اس سلسلے میں پیسوں کی فکر نہ کرو۔ جتنا ایڈوانس مانگو گی' میں دے دوں گا۔"

وہ چپ چاپ اپنی تنخواہ لے کر اٹھ گئی۔ لڑکیاں ایسی باتوں کا جواب نہیں دیتیں۔ خاموشی نیم رضامندی کے مصداق وہ باہر آگئی۔ دروازے پر وہ نظر نہیں آیا۔ جہاں وہ پہلے نظر آیا تھا وہ جگہ خالی تھی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا اسے یوں لگا جیسے اس کی سب سے اہم چیز کہیں کھو گئی ہے۔

وہ دروازے سے نکل کر فٹ پاتھ پر آئی۔ اس کی نگاہیں اسے ڈھونڈ رہی

تھیں۔ پھر وہ لکی اسٹار کے سامنے نظر آگیا۔ وہ سڑک پار کر کے اس کی طرف آنا چاہتا تھا۔ ٹریفک کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے پلٹ کر جانے لگی۔ اب اسے اطمینان تھا کہ وہ اس کا پیچھا کرے گا' ذرا دور جانے کے بعد اس نے گھوم کر دیکھا' پھر ایک گلی میں مڑ گئی۔ وہاں اکے دکے راہگیر نظر آرہے تھے گلی تقریباً ویران تھی۔ آگے جاکر اس گلی کی دو شاخیں نکلتی تھیں۔ دائیں طرف کی شاخ سے اچانک ہی اجنبی آتا ہوا نظر آیا۔ لڑکی اس سے کترا کر نکل جانا چاہتی تھی لیکن وہ تیزی سے قریب آیا اور اس کا راستہ روکنے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھادیا۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ جاتی مگر اس کی بھاری بھرکم سیاہی مائل ہتھیلی دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ہتھیلی پر بڑے بڑے آبلے پڑے ہوئے تھے۔ ایک آدھ چھالا پھوٹ گیا تھا اور ان میں سے لیسدار پانی بہہ رہا تھا۔

اجنبی نے بڑی آہستگی سے کہا۔

"اس ہاتھ کو اس سے بھی بڑی سزا ملنی چاہئے۔ اگر تم اب بھی ناراض رہو گی تو میں اس ہاتھ کو کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

اس نے فوراً ہی دونوں ہاتھوں سے اس کی زخمی ہتھیلی کو تھام لیا۔

تھوڑی دیر کے لئے ساری دنیا آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔ صرف وہ ہتھیلی سامنے رہ گئی۔ وہ زخم اور وہ رستے ہوئے آبلے بتا رہے تھے کہ وہ کس طرح دیوانہ وار اسے چاہتا ہے اور پروانہ وار اس کے لئے جل جاتا ہے۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ اس ہتھیلی کو اپنے کلیجے میں چھپالے' یا اس ہتھیلی کو اپنے سر پر سجالے اور ساری دنیا کو دکھادے کہ ملکہ برطانیہ کے تاج کا کوہ نور بھی اس طرح نہ جگمگاتا ہوتا ہو گا جس طرح اس کی محبت جگمگا رہی ہے۔

بہت دیر تک وہ چپ کھڑی سوچتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اپنے دیوانے کو خراجِ عقیدت پیش کرے۔ کیا وہ اس ہتھیلی کو فرطِ عقیدت سے چوم لے؟ مگر وہ سرِ راہ اسے نہیں چوم سکتی تھی۔ تہذیب مانع تھی۔ اسے سینے سے بھی نہیں لگا سکتی تھی۔ اس کے زخموں پر آنسو بھی نہیں بہا سکتی تھی کبھی کبھی تہذیب بڑی

ظالم بن جاتی ہے۔ جو آنسو بھری مسرتیں سرِ راہ ملتی ہیں' انہیں گلے لگانے کی اجازت نہیں دیتی۔

وہ آنسو نہ بہا سکی مگر فرطِ محبت سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اتنا اونچا تھا کہ اسے دیکھنے کے لئے سر اٹھانا پڑتا تھا اور اس وقت تو وہ بہت ہی بلند ہو گیا تھا اس کے حواس پر چھایا جا رہا تھا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟ تم مجھے اور مارتے' خوب مارتے مگر ہتھیلی کیوں جلائی؟ تم نے خود کو سزا دے کر مجھے کتنی بڑی سزا دی ہے۔ یہ تم نہیں جانتے' جہاں جہاں تمہاری ہتھیلی پر آبلے پڑے ہیں' وہاں وہاں میرے دل پر چھالے پڑ گئے ہیں۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو ضبط کا بندھن توڑ کر نکل رہے تھے۔ اجنبی نے پوچھا۔

"آج تم نے برقعہ کیوں پہنا ہے؟ تمہارا چہرہ نقاب کے پیچھے چھپا ہوا ہے مگر میں سمجھ گیا کہ اس ظالم ہاتھ نے تمہارا چہرہ بگاڑ دیا ہے میں اس ہاتھ کو پھر سزا دوں گا۔"

"نہیں!" وہ اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام کر بولی۔ "اب تم نے حماقت کی تو میں تم سے نہیں بولوں گی' تم سے دور چلی جاؤں گی کہیں جاکے مرجاؤں گی۔ بولو میں چلی جاؤں؟"

"نہیں!"

"تو پھر ڈاکٹر کے پاس چلو' میں ہتھیلی کا علاج کراؤں گی۔"

"میں تمہارے چہرے کا علاج کراؤں گا۔"

"لیکن میں..........." وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔ "میں یہاں کسی ڈاکٹر کو اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گی۔ کورنگی کے ہسپتال میں ایک ڈاکٹر صاحب ہیں۔ وہ مجھے بیٹی کہتے ہیں۔ میں ان سے علاج کراؤں گی۔"

"تو پھر کورنگی چلو کیا وہ میری ہتھیلی کا علاج نہیں کریں گے؟"

"آں۔ ہاں۔ علاج کریں گے مگر ہم دونوں کو ایک جگہ علاج نہیں کرانا

چاہئے۔"

"کیوں؟"

"اوہ تم سمجھتے کیوں نہیں۔ ہم کسی ایک ڈاکٹر سے علاج کرائیں گے تو میرے رخسار اور تمہاری ہتھیلی کا رشتہ اس کی سمجھ میں آجائے گا۔"

"ہاں۔ یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔" وہ سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "مگر میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتا۔ دیکھو ایسا کرو ہم دونوں یہاں سے ایک ساتھ کورنگی جائیں گے۔ ہسپتال کے قریب پہنچ کر الگ ہو جائیں گے تم اپنا علاج کرانا میں اپنا علاج کراؤں گا۔ پھر ہسپتال سے باہر آکر ہم مل جائیں گے۔"

ترکیب اچھی تھی۔ اس طرح دونوں کا برابر ساتھ رہتا۔ وہ راضی ہوگئی۔ دونوں منی بس کے اڈے کی طرف جانے لگے۔ کچھ دور جاکر لڑکی اپنے دوپٹے کے ایک سرے کو آہستہ آہستہ پھاڑنے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟"

اس نے پھٹے ہوئے آنچل کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے ہتھیلی پر لپیٹ لو۔ ان زخموں کو دیکھ کر نہ جانے لوگ کیا سوچ رہے ہوں گے۔"

جارجٹ کا وہ ٹکڑا لڑکی کے دل کی طرح ملائم تھا' اجنبی کو یوں لگا کہ لڑکی نے اپنے دل کا ایک کونہ چیر کر اسے ہتھیلی پر رکھنے کے لئے دے دیا ہے وہ بڑی آہستگی سے اور بڑے پیار سے اسے ہتھیلی کے اطراف لپیٹنے لگا۔

کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو بہت پیارے ہوتے ہیں مگر انہیں نقاب میں یا آنچل کے سائے میں چھپا کر رکھنا پڑتا ہے تاکہ محبت تماشہ نہ بنا جائے۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ ہسپتال کے قریب پہنچ کر ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ وہ مردوں کی قطار میں اپنی باری کا انتظار کرنے بیٹھ گیا۔ لڑکی عورتوں کی قطار میں چلی گئی۔ آدھ گھنٹے بعد وہ ڈاکٹر کے کمرے میں گئی تو ڈاکٹر نے اسے دیکھتے ہی ہنستے ہوئے کہا۔

"ہیلو بے بی! یہ تم نے ابٹن کیوں لگائی ہے؟ کیا کسی سے شادی کرلی ہے؟"

وہ جھینپ کر بولی۔ "انکل! آپ مذاق نہ کریں۔ کل رات پڑوسن سے میرا جھگڑا ہوگیا تھا وہ کم بخت عورت نہیں پہلوان ہے۔ اس نے اتنی زور سے طمانچہ مارا ہے کہ میرے گال پر پانچوں انگلیوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔"

"اور تم نے نشانات کو چھپانے کے لئے ابٹن لگایا ہے۔ اگر تم ان نشانات کو مٹانے کے لئے کوئی زود اثر دوا لینے آئی ہو تو میرے پاس ایسی کوئی دوا نہیں ہے۔ یہ نشانات رفتہ رفتہ مٹیں گے۔"

"انکل! میرے جبڑے دکھتے ہیں' دانتوں کی تکلیف ہے' روٹی چبائی نہیں جاتی۔ آپ کوئی ایسی دوا دیں کہ میں جلد ہی روٹی کھانے کے قابل ہو جاؤں۔"

ڈاکٹر نے واش بیسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جاؤ' پہلے ابٹن چھڑا کر آؤ۔"

اس نے منہ دھونے کے لئے برقعہ اتار کر کرسی پر رکھ دیا اور واش بیسن کی طرف جانے لگی۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"تمہاری پڑوسن بہت ظالم ہے۔ اس نے مارا تو مارا دوپٹہ بھی پھاڑ ڈالا۔"

وہ گھبرا کر اپنا دوپٹہ دیکھنے لگی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ جلدی سے منہ پھیر کر واش بیسن کے پاس آئی اور نلکا کھول کر منہ دھونے لگی۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اجنبی کی باری آئی۔ جب وہ ڈاکٹر کے کمرے میں آیا تو وہاں کرسی پر لڑکی کا برقعہ رکھا ہوا تھا اور وہ کمپاؤڈر کے پاس دوا لینے گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کی ہتھیلی پر بندھی ہوئی پٹی کو ذرا غور سے دیکھا پھر اس پٹی کو کھولتے ہوئے اس لڑکی کا پھٹا ہوا دوپٹہ یاد آگیا۔ اس نے پوچھا۔

"یہ ہتھیلی کیسے جل گئی؟"

"آگ سے!"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ آگ سے جلی ہے مگر کیسے جلی؟ کیا تم کسی تندور میں روٹیاں لگاتے ہو؟"

"نہیں!"

"کیا کسی اسٹیم انجن کے فائرمین ہو؟"

"جی نہیں۔ میں آگ کا کوئی کام نہیں کرتا۔"

"تو پھر ہتھیلی کیسے جل گئی؟"

"بس جی یہ نہ پوچھیں۔ آپ صرف علاج کردیں۔"

"جب تک بیماری کا سبب معلوم نہ ہو علاج کیسے ہوگا؟"

"بس جی یہ سمجھئے کہ کسی سے جھگڑا ہوگیا تھا۔ بعد میں مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ مجھے اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے تھا۔ پھر مجھے اتنی شرمندگی ہوئی کہ میں نے اپنی ہتھیلی جلا ڈالی۔"

ڈاکٹر نے معنی خیز انداز میں سرہلا کر کہا۔ "اچھا میں سمجھ گیا۔ تمہارا جھگڑا تمہاری پڑوسن سے ہوا تھا؟"

"جی۔ جی ہاں پڑوسن سے ہوا تھا۔"

"تمہاری پڑوسن جوان تھی۔ تمہیں اس لئے شرمندگی ہوئی کہ تم نے ایک کمزور عورت کو طمانچہ مارا ہے۔"

"جی ہاں۔ طمانچہ مارنے کے بعد مجھے احساس ہوا............"

اسے اچانک خیال آیا کہ طمانچہ مارنے کا اعتراف نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ڈاکٹر ایک طمانچہ کھانے والی کا بھی معائنہ کرچکا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا اتنے میں لڑکی دوا لے کر آگئی۔ اجنبی کو ڈاکٹر کے کمرے میں دیکھتے ہی وہ ٹھٹک گئی۔ ڈاکٹر نے ہتھیلی سے کھولی ہوئی پٹی اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

"بے بی! تمہارے دوپٹے کا باقی حصہ مل گیا ہے اور یہ تمہارا ظالم پڑوسی بیٹھا ہوا ہے۔"

پیار نہ نقاب کے پیچھے چھپا نہ آنچل کے سائے میں۔ وہ ڈاکٹر کے ہاتھ میں آنچل کا ٹکڑا دیکھتے ہوئے شرما کر کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

☆------☆------☆

پھر ہنستے بولتے دن گزارنے لگے۔ اس کے چہرے کی سوجن ختم ہوگئی۔ رخسار پر نقش ہونے والے انگلیوں کے نشانات مٹتے چلے گئے۔ اجنبی کی ہتھیلی کے آبلے بھی کسی حد تک مرجھا رہے تھے۔ وہ روز صبح اس کے راستے پر آکر کھڑا ہوجاتا تھا۔ لڑکی بھی وقت سے کچھ پہلے ہی چلی آتی تھی۔ پھر وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسٹاپ سے ذرا دور رک جاتے تھے شام کو واپسی پر بھی وہ لڑکی کے محلے تک آتا تھا مگر مکان کے دروازے تک نہیں جاتا تھا۔ لڑکی یہ نہیں چاہتی تھی کہ شادی سے پہلے مکان یا کارخانے کی عورتیں انہیں ایک ساتھ دیکھیں۔

شادی کی بات زبان پر لانے سے پہلے لڑکی اسے سمجھ رہی تھی اور سمجھا رہی تھی۔ یہ سمجھا رہی تھی کہ اسے کوئی ڈھنگ کا کام کرنا چاہئے۔

"کیا تمہیں کوئی ہنر نہیں آتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آتا ہے۔ میں نے پانچ برس تک ایک موٹر ریپئرنگ ورکشاپ میں کام کیا ہے۔ مجھے ڈرائیونگ آتی ہے۔ میرے پاس ٹیکسی چلانے کا لائسنس ہے۔"

"تو پھر تم ٹیکسی کیوں نہیں چلاتے؟"

"نہ چلانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دنیا کے ہر کام میں نوسربازی ہے۔ جس طرح ہم تاش کے پتے کا کونہ موڑتے ہیں' اسی طرح ٹیکسی کے میٹر کو بھی ذرا سا موڑ کر تیز کر دیتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو تاش کھیلنے والے اچھی نظروں سے نہیں دیکھے جاتے۔ اگر تمہیں میری عزت کا ذرا بھی خیال ہے تو یہ دھندا چھوڑ دو اور ٹیکسی چلاؤ۔"

اس نے لڑکی کی بات مان لی۔ یوں بھی اس کی ہتھیلی ابھی اس قابل نہیں ہوئی تھی کہ وہ فرش پر ہاتھ مار کر تاش کے پتے کا کونہ موڑ سکتا ایک ہفتے کی بھاگ دوڑ کے بعد ایک مہاجن نے اپنی ٹیکسی اسے چلانے کے لئے دے دی۔

لڑکی کی دوسری فرمائش یہ تھی کہ اسے ایک یا دو کمرے کے فلیٹ میں رہنا

چاہئے۔ دوسرے ہفتے اس نے ڈھائی سو روپے ماہوار پر ایک فلیٹ لے لیا۔ وہ فلیٹ لڑکی کی رہائش سے دو سو گز کے فاصلے پر تھا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب تھے اجنبی تمام دن ٹیکسی چلاتا تھا شام کے وقت لڑکی کے پاس آتا اور اسے گاڑی میں بٹھا کر سیر کرنے نکل جاتا تھا۔ لڑکی اس کے قریب رہنا چاہتی تھی لیکن اسے یہ فضول خرچی پسند نہیں تھی۔ اس نے کہا۔

"شام کے وقت بہت زیادہ سواریاں ملتی ہیں' تم بہت زیادہ کما سکتے ہو لیکن مجھے لے کر سیر کے لئے نکل جاتے ہو' یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ پیسے جمع کرنا چاہئیں۔ آخر یہ پیسے ہم دونوں کے کام آئیں گے۔"

"یہ پیسے ہم دونوں کے کام تو آ رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ گھومنے پھرنے' کھانے پینے اور زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کے لئے میں یہ پیسے کما رہا ہوں۔ اگر تم کہو گی کہ شام کے وقت میں تمہارے ساتھ سیر نہ کروں تو پھر اتنی محنت کرنے کا فائدہ کیا ہے؟"

"بہت سے فائدے ہیں۔ ہم اپنا گھر بنائیں گے' میں جیسا کہتی ہوں ویسا کرو۔ ہم ہفتے میں صرف ایک دن اتوار کو تفریح کے لئے کہیں جایا کریں گے۔"

وہ جیسا کہتی تھی' ویسا ہی وہ کرتا تھا۔ وہ اس سے بحث کرنے سے اس لئے کتراتا تھا کہ کہیں پھر جھگڑا نہ ہو جائے اور غصے کی حالت میں دوبارہ لڑکی پر ہاتھ نہ اٹھ جائے۔ اسی لئے اس نے یہ بات بھی مان لی مگر اس کے بغیر ایک ہفتہ گزارنا مشکل ہو گیا۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک بار اس سے ملاقات ہوتی تھی۔ صبح جب وہ کارخانے جاتی تو وہ بھی اس کے ساتھ دور تک جاتا اور یہ سوچتا رہتا کہ اتنی بڑی دنیا میں وہ اکیلا نہیں ہے اسے سوچنے کے لئے ایک من موہنی سی لڑکی مل گئی ہے لیکن جب وہ کارخانے کی چاردیواری میں جا کر قید ہو جاتی تو وہ پھر اگلی صبح تک کے لئے تنہا رہ جاتا۔ دن کسی طرح ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے گزر جاتا تھا مگر رات پہاڑ بن جاتی تھی۔ رات کو کمرے کی خاموشی میں وہ فرش پر لیٹ جاتا تھا۔ پلنگ اور آرام دہ بستر ہونے کے

باوجود وہ فرش پر اس لئے سوتا تھا کہ اس طرح لڑکی کے ساتھ گزاری ہوئی پہلی رات پوری تفصیل سے یاد آتی رہتی تھی۔

اس نے کئی بار سوچا کہ پہلی ملاقات سے اب تک وہ دونوں ایک دوسرے کے کتنے قریب آئے ہیں؟ جہاں تک دلی قربت کا تعلق تھا' وہ ایک جان اور دو جسم تھے۔ ایک جان کی طرح ایک جسم نہیں بن سکے تھے۔ جب بھی وہ جسمانی طور پر قریب آتے' ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے تو لڑکی ہولے ہولے کانپنے لگتی۔ کانپنے اور لرزنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ وہ جذبات کی فراوانی سے بھی لرزتی تھی اور ایک طرح کا خوف بھی دامن گیر ہوتا تھا کہ تنہائی اور قربت کی انتہا نہ جانے کتنی صبر آزما ہو گی۔ ہر نوشگفتہ کلی اپنے محبوب کی آغوش میں کھلنے سے پہلے ذرا گھبراتی ہے مگر وہ کچھ زیادہ ہی گھبراتی تھی۔ چور نظروں سے اس کے پہاڑ جیسے وجود کو دیکھ کر سوچتی تھی کیا وہ اس بلندی کو سر کر لے گی۔ حقیقتاً وہ اس کے سامنے ایک بچی معلوم ہوتی تھی۔ ایک چیونٹی نظر آتی تھی لیکن اس حقیقت کو بھی سمجھتی تھی کہ پہاڑ کے سامنے انسان چیونٹی کے برابر ہوتا ہے مگر اپنی ذہانت اور صبر آزما کوششوں سے اس کی بلندیاں سر کر سکتا ہے۔ وہ اسے جیت لینا چاہتی تھی یا اس کے بازوؤں میں مرجانا چاہتی تھی' لہٰذا جیتنے یا مرنے کا فیصلہ ہونے سے پہلے وہ اس کے قریب آتے ہی خوف سے لرزتی تھی اور جذبات کی ہلچل سے ہولے ہولے تھرتھراتی تھی۔

اجنبی بھی بال بال کنوارا تھا۔ پیار کے پہلے سبق میں اس کا ہاتھ تھام کر یہ بھول جاتا تھا کہ اس کے بعد دوسرا سبق کیا ہے۔ اگر دوسرا سبق یاد آ بھی جاتا تو لڑکی کی سہمی ہوئی ادائیں اسے سوچنے پر مجبور کر دیتیں کہ کہیں وہ پھر ناراض نہ ہو جائے۔ اس جانِ حیات کی ناراضگی کا بڑا خیال تھا۔ خود کو جلا کر اسے منانا پڑا تھا۔

بس یہی کچھ سوچتے سوچتے دن گزر رہے تھے۔ ہفتے کی صبح وہ معمول کے مطابق اس سے ملنے آئی تو اجنبی نے اسے ایک تحفہ پیش کیا۔ وہ تحفہ ایک چھوٹا سا گیند نما ریڈیو تھا۔ لڑکی نے خوش ہو کر اسے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "آہا۔ کتنا خوبصورت

ہے۔ کیا تم نے خریدا ہے؟"

"ہاں یہ تمہارے لئے ہے۔ یہ دیکھو' اسے اس طرح آن کرتے ہیں۔"

آن اور آف کا طریقہ بتانے کے لئے اس نے ریڈیو کو اس طرح تھام لیا کہ لڑکی کا ہاتھ بھی ہاتھوں میں آگیا۔ ریڈیو آن ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں کا لمس ایسا تھا کہ لڑکی بھی آن ہو کر لرزنے لگی۔ ان کے درمیان کوئی مغنیہ سُریلی آواز میں گا رہی تھی اور گیت کے بول سے ان کے چھپے ہوئے جذبات کی چغلی کھا رہی تھی۔ اجنبی نے بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"میں۔ میں۔ تم سے محبت کرتا ہوں۔ ...."

یہ کہتے ہی وہ فوراً چپ ہو گیا۔ دل ہی دل میں خود کو گالیاں دینے لگا۔ بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات تھی؟ دونوں ایک دوسرے کی محبت کو اظہار کے بغیر ہی سمجھتے تھے۔ وہ کوئی اور بات کہنے کے لئے وہ قیمتی تحفہ لے کر آیا تھا۔ ہاں وہ کیا بات ہے؟ وہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ اس نے لڑکی کو بڑی چاہت سے دیکھا۔ وہ شرما رہی تھی۔ شاید انتظار کر رہی تھی کہ وہ آگے کچھ کہے گا۔ تحفہ ایسی چیز ہے جس کا سہارا لے کر مرد ایک دم اپنی عورت کے قریب چلا آتا ہے اور اسے بڑے پیار سے بازوؤں میں لے کر پیار کرتا ہے۔ وہ بھی ایک بار صرف ایک بار اسے پیار کرنا چاہتا تھا۔ وہ بڑی اچھی لگتی تھی مگر سے چومنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ مرد زبردستی پر اتر آئے تو طمانچہ مار دیتا ہے۔ شرافت پر اتر آئے تو چومتے وقت پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔

گذرا ہوا وقت واپس نہیں آتا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر واپس جانے لگی۔

"ڈیوٹی کا وقت ہو گیا ہے' اب میں جاؤں گی۔ یہ۔ یہ ریڈیو لے جاؤں؟"

"ہاں لے جاؤ۔" وہ اس کے ساتھ باتیں کرتا ہوا مکان کے باہر آیا۔ "تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟ کل اتوار ہے۔ ہم تمام دن سیر کریں گے۔"

"ہاں مجھے یاد ہے کل صبح میں اسی وقت واپس آؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ دور ہوتی گئی۔ یہ اپنی

حماقت پر جھنجلاتا رہا کہ ایک بالشت بھر کی چھوکری کے سامنے وہ بزدل کیوں بن جاتا ہے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے پھر ایک بار تہیہ کر لیا کہ کل کہیں سیر و تفریح کے دوران وہ اسے ایک بار چومنے کا چانس لے گا۔ اس تصور کے ساتھ ہی وہ اسے گلے لگا کر بہلنے لگا۔

دوسرے دن انہوں نے ہاکس بے جانے کا پروگرام بنایا لیکن ہاکس بے پہنچنے تک دوپہر ہو گئی۔ لڑکی نے بننے سنورنے میں گیارہ بجا دیئے تھے۔ پھر رکشے یا ٹیکسی کے انتظار میں دو گھنٹے گزر گئے۔ جب وہ ہاکس بے پہنچے تو دو بج گئے تھے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ لڑکی اپنے ساتھ آلو کے پراٹھے لے کر آئی تھی۔ وہ دونوں ریت پر بیٹھ کر کھانے لگے۔ اجنبی بار بار وقت دیکھ رہا تھا۔ دو سے ڈھائی اور ڈھائی سے تین بج رہے تھے' لیکن ابھی تک اسے چومنے یا گلے سے لگانے کا چانس نہیں ملا تھا۔ صبح وہ دیر سے آئی تھی۔ اگر وہ مکان کے اندر آتی تو شاید اس کے بازوؤں میں بھی آجاتی مگر چونکہ دیر ہو گئی تھی اس لئے موقعہ نہ ملا۔ راستے میں وہ ٹیکسی کے انتظار میں دو گھنٹے تک سڑکوں پر مارے مارے پھرتے رہے۔ اجنبی نے سوچا تھا کہ ٹیکسی میں جائیں گے پچھلی سیٹ پر بیٹھیں گے۔ ڈرائیور کی نظریں سامنے راستے پر لگی ہوں گی اور وہ موقعہ پا کر اپنی جانِ حیات کو چوم لے گا لیکن بدقسمتی سے ٹیکسی نہیں ملی' رکشا ملا۔ وہ بھی ایسا رکشا جو تمام راستے شور مچاتا رہا اور آگے پیچھے' دائیں بائیں جھٹکے کھاتا رہا۔ لڑکی ایک جھٹکے میں قریب آتی تھی' دوسرے میں دور چلی جاتی تھی۔ ایسی صورت میں اگر وہ ایک بوسے کے لئے اس کے لبوں کو ٹارگٹ بناتا تو وہ بوسہ جھٹکے کھا کر اس کی ناک پر جاتا یا ٹھوڑی پر پہنچتا یا دائیں بائیں رخساروں سے پھسل کر نہ تیر ہوتا نہ تکا۔ بعض اوقات ایک بوسہ بھی غریبی کا مذاق اڑاتا ہے۔ اگر وہ رکشے کی بجائے کسی آرام دہ کار میں ہوتا تو وہ محبوبۂ دلنواز اس کے پہلے بوسے سے متعارف ہو چکی ہوتی۔

روٹی کھانے کے بعد وہ سمندر کے کنارے ٹہلنے لگے۔ بہت سے مرد' عورتیں اور بچے سمندر کی لہروں سے کھیل رہے تھے۔ بچے کم تھے' جوان زیادہ۔ لڑکیاں منہ

زور لہروں سے خوفزدہ ہو کر بھاگتی تھیں، کبھی گرتی تھیں، کبھی سنبھلتی تھیں، بلکہ ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی ان کے نوجوان ساتھی انہیں سنبھالنے اور گلے سے لگانے کا چانس لے لیتے تھے۔ اجنبی نے کئی بار لڑکی کو لہروں کی طرف بڑھنے کی دعوت دی مگر وہ محتاط تھی۔ وہاں لڑکیوں کی بے حیائی دیکھ رہی تھی اور اجنبی کو کوئی ایسا موقعہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی نے آکر اس سے دوستی کرلی۔ جب دو لڑکیاں آپس میں ملتی ہیں تو باتوں میں پتہ نہیں چلتا کہ وقت کس طرح گزر گیا۔ اجنبی بور ہو رہا تھا۔ اس لڑکی نے اپنے والدین سے اس کا تعارف کرایا، پھر انہیں چائے پینے کی دعوت دی گئی۔ تفریح کا سارا وقت گزر گیا اور شام ہو گئی۔ وہ اپنے میزبانوں سے رخصت ہو کر ٹیکسی ڈھونڈنے چلے آئے۔ کراچی شہر میں جن کے پاس اپنی گاڑی نہیں ہوتی، ان کی آدھی سے زیادہ تفریح رکشے اور ٹیکسیوں کی تلاش میں ضائع ہو جاتی ہے۔

وہ دونوں رکشے اور ٹیکسی ڈرائیوروں کی خوشامدیں کرتے کرتے تھک گئے۔ ڈرائیور حضرات اپنی مرضی کے روٹ پر جارہے تھے۔ آخر ایک بڑی سی کار ان کے قریب آکر رکی۔ کار کی کھڑکی سے اسی لڑکی نے سر نکال کر کہا۔

"میں تو سمجھی تھی کہ تمہارے پاس اپنی گاڑی ہوگی۔ کہاں جانا ہے؟ آؤ یہاں آجاؤ..........."

اس نے دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر اس مہربان لڑکی کے پاس بیٹھ گئے۔ اگلی سیٹ پر اس کے والدین بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی نے پوچھا۔

"کہاں جاؤ گی؟"

"بند روڈ۔ کیپری سینما کے قریب.........."

"ہم وزیر مینشن تک جائیں گے اگر ہم تمہیں وہاں اتار دیں تو آگے جانے کے لئے وہاں سے کوئی نہ کوئی گاڑی ضرور مل جائے گی۔"

کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ بلدیہ کے قریب پہنچ کر اجنبی نے کہا۔

"گاڑی یہاں روک دیجئے۔ وہ دیکھئے ٹرین آرہی ہے۔ ہم اس ٹرین سے کینٹ

جائیں گے، وہاں سے بند روڈ کے لئے آسانی سے گاڑیاں مل جائیں گی۔"

بلدیہ اسٹیشن کے قریب کار رک گئی۔ وہ دونوں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کار سے اترے۔ تیزی سے چلتے ہوئے بکنگ آفس تک پہنچے وہاں سے ٹکٹ خرید کر جب وہ پلیٹ فارم پر آئے تو ٹرین حرکت میں آگئی تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے ایک کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گئے۔ پھر کمپارٹمنٹ کے دروازے کو بند کرنے کے بعد اجنبی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"لعنت ہے ایسی تفریح پر، سوائے پریشانی کے کچھ ہاتھ نہ آیا، لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں جس کے پاس گاڑی نہیں ہے، اسے کراچی میں رہنے کا حق نہیں ہے۔"

لڑکی بھی اطمینان کا سانس لیتی ہوئی اپنے بالوں کو درست کر رہی تھی۔ وہ جہاں کھڑے ہوئے تھے، وہاں سے کمپارٹمنٹ کے دوسرے مسافر نظر نہیں آرہے تھے۔ ان کے درمیان ٹائلٹ کی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ تفریح کو یادگار بنانے کا یہی موقعہ تھا۔ دروازے کی کھڑکی سے آنے والی ہوائیں ان کے درمیان سے گذرتی ہوئی ان کے جسموں کو ہولے ہولے گدگدا رہی تھیں۔ اس کے دوپٹے کا ایک سرا شانے کے پیچھے ہوا کی زد میں لہرا رہا تھا، بلکہ اجنبی کے دل کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔

اس نے جھجکتے ہوئے اپنی محبوبہ کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ چھونے کا بھی ایک انداز ہوتا ہے۔ عورت سمجھتی ہے کہ ایک مرد کے ہاتھ مختلف اوقات میں مختلف انداز سے اس تک پہنچتے ہیں۔ اس وقت اجنبی کے ہاتھ کی کپکپاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ ہاتھ اس کے شانے پر محبت سے کچھ مانگنے آئے ہیں، اپنا حق طلب کرنے آئے ہیں۔ اپنے محبوب کے خاموش مطالبے کو سمجھتے ہی وہ حیا سے اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔

اسے شرماتے لجاتے دیکھ کر وہ لرزتی آواز میں کہنے لگا۔

"مم۔ میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مم۔ مگر دل میں کچھ ایسی باتیں ہیں کہ وہ زبان پر نہیں آتیں۔"

"ایسی کیا باتیں ہیں؟" وہ سر جھکا کر بولی۔ "تم تو کتنی ہی باتیں کرتے رہتے ہو۔

باتوں ہی باتوں میں ہم نے ایک سہانے مستقبل کا خواب بھی دیکھا ہے۔"

"ہاں' لیکن اس کے علاوہ بھی میں کچھ ایسے خواب دیکھتا ہوں' جن کی تعبیر کے لئے میں ہر وقت بے چین رہتا ہوں۔"

"اور کون سے خواب ہیں؟"

"وہ۔ وہ میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں پیار کر رہا ہوں.........."

لڑکی کا چہرہ گلِ انار ہونے لگا۔ اجنبی کا دل بھی اس تیزی سے دھڑکنے لگا تھا جیسے اس نے ایک بہت ہی دھماکہ خیز بات کہہ دی ہو۔ وہ چند لمحوں تک اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ شاید وہ کچھ کہے گی لیکن اسے چپ لگ گئی تھی۔

تب اسے اپنی کمزوری پر غصہ آیا۔ تفریح کا پروگرام بنانے سے قبل وہ اپنی محبوبۂ دلنواز کے لبوں کو ایک بار چوم لینے کے لئے کتنے ہی دلیرانہ منصوبے بنا چکا تھا۔ اب ایک موقعہ ہاتھ آیا تھا تو وہ بھی ہاتھ سے نکلنے والا تھا۔ اب یہ تو انہونی سی بات تھی کہ وہ شرمیلی لڑکی خود ہی آگے بڑھ کر کہتی۔ "آؤ میرے شرمیلے محبوب! میرے لبوں کو چوم لو.........."

اس نے جرأت سے کام لیتے ہوئے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے شانے پر رکھ دیا۔ وہ پرائی نہیں تھی' اپنی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چھو سکتا تھا۔ اسے محبت سے تھام سکتا تھا۔ سہمے ہوئے نازک سے بدن کی کپکپاہٹ کہہ رہی تھی کہ اسے بھی سہارے کی ضرورت ہے۔ محبوب کی قربت اسے بھی کمزور بنا رہی ہے۔

اس نے گداز بانہوں کو مضبوطی سے تھام لیا اور اس کے قریب سے قریب تر ہونے لگا۔ لڑکی نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔ پھر اس کی گرفت میں کسمساتی ہوئی بولی۔

"نن۔ نہیں۔ پلیز چھوڑ دو مجھے۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا؟"

وہ ذرا کمزور پڑ گیا۔ عورتیں جتنی محتاط ہوتی ہیں' اتنے مرد نہیں ہوتے۔ لڑکی

نے اس کی پیش قدمی پر اعتراض نہیں کیا تھا' اس نے دانش مندی کی بات کہی تھی کہ اِدھر اچانک ہی کوئی آ سکتا ہے۔

اس نے بڑی آہستگی سے خود کو چھڑایا' اپنے سر پر آنچل رکھا' پھر وہاں سے پلٹ کر آہستہ آہستہ جانے لگی۔ شرافت کے دائرے میں رہ کر کسی کو اپنی بانہوں کے دائرے میں لانے کے لئے بڑے صبر و تحمل سے کام لینا پڑتا ہے۔

وہ ٹائلٹ کے دوسری طرف نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اجنبی اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ وہ ایک جنگلی پھول تھا' جس کی مٹھی سے خوشبو نکل کر چلی گئی تھی۔ پھر وہ بھی آگے بڑھ گیا۔ لڑکی کمپارٹمنٹ کے آخری سرے میں عورتوں کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔ مسافر زیادہ نہیں تھے۔ بہت سی سیٹیں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے محبوب کے ساتھ کسی بھی سیٹ پر تنہا بیٹھ سکتی تھی لیکن وہ قدرے محتاط ہو گئی تھی اور اس سے ذرا دور ہی رہنے میں بہتری سمجھتی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کمپارٹمنٹ کا جائزہ لیتا رہا اور اپنے بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب کرتا رہا۔ پھر ایک کھڑکی کے قریب اسے ایک صحت مند نوجوان نظر آیا۔ وہ چہرے سے ہی بدمعاش نظر آتا تھا۔ اس کے جسم پر ایک دھاری دار بنیان تھی اور پتلون کے پائنچے چڑھے ہوئے تھے۔ اجنبی اس کے سامنے والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

وہ غنڈہ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔ اجنبی سمجھ گیا کہ وہ کوئی شکاری ہے اور اسے ہضم ہو جانے والا شکار سمجھ کر تاڑ رہا ہے۔ اجنبی نے جان بوجھ کر اپنے چہرے پر معصومیت طاری کر لی۔ اس نے دل میں سوچا کہ وہ جان بہار دور جا کر بیٹھ گئی ہے' تنہائی میں بور ہونے سے بہتر ہے کہ اس غنڈے کو شکار کھیلنے کا موقع دیا جائے۔

وہ بے چارہ شکاری دھوکا کھا گیا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر تاش کا ایک پیکٹ نکالا اور اسے کھولنے لگا۔ اجنبی اس پیکٹ کو ایسی دلچسپی سے اور کچھ ایسے اضطراب سے دیکھنے لگا جیسے اکثر لوگ سانپ کے کھلنے والے پٹارے کو ذرا دلچسپی سے

بھی دیکھتے ہیں اور ذرا سہمے ہوئے اضطراب سے بھی لیکن ہر حال میں دیکھتے ضرور ہیں۔

شکاری نوجوان نے مسکرا کر پوچھا۔ "کھیلو گے؟"

"کیسے کھیلتے ہیں؟" اس نے اپنی سیٹ پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

شکاری نوجوان نے پیکٹ کو الٹ کر تاش کی گڈی نکالی تو لکڑی کی سیٹ پر ایک چھوٹا سا کنکر آگرا۔ اجنبی نے اس کنکر کو دیکھا لیکن انجان بن گیا۔ وہ گڈی میں سے تین پتے چن رہا تھا۔ بادشاہ، بیگم اور غلام۔ پھر انہیں اپنی دونوں ہتھیلیوں پر سیدھا رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"دیکھو۔ میں ان تین پتوں کو تمہارے سامنے اوندھا کردوں گا۔ اگر تم کسی ایک پتے پر انگلی رکھ کر یہ بتادو گے کہ یہی تمہارا مطلوبہ پتا ہے تو میں اسے الٹ کر دکھادوں گا۔ اگر تمہارا مطلوبہ پتا نکل آئے گا تو تم جیت جاؤ گے اور اس پتے پر تم جتنی رقم لگاؤ گے، میں تمہیں اس سے دوگنا دوں گا۔"

اجنبی نے احمقانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔ "یہ تو بہت ہی آسان ہے۔ میں بتادوں گا کہ میرا مطلوبہ پتا کون سا ہے۔"

"تو پھر نکالو رقم!"

اجنبی نے دور بیٹھی ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ وہ عورتوں سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ اس بات کا خدشہ نہیں تھا کہ وہ اسے تاش کھیلتے دیکھے گی اور ناراض ہوجائے گی۔ اس نے دس روپے کا نوٹ نکال کر سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "بادشاہ!"

اس نے بادشاہ اس لئے کہا تھا کہ اس پتے کا کونہ ذرا سا مڑا ہوا تھا۔ اس نوجوان نوسرباز نے اجنبی کی توجہ اِدھر موڑنے کے لئے اس کا کونہ موڑ رکھا تھا لہٰذا اجنبی نے اس کے حسب منشا بادشاہ کا پتا طلب کیا۔

نوجوان نے ہتھیلیوں کے سیدھے پتوں کو لکڑی کی سیٹ پر ہاتھ مار کر اوندھا کردیا اس کے بعد اپنے ہاتھ ہٹالئے۔

"اب بتاؤ، بادشاہ کا پتا کون سا ہے۔ تم اس پر انگلی رکھ دو، میں الٹ کر دکھادوں

گا۔"

اجنبی نے فوراً ہی اپنے مطلوبہ پتے پر انگلی نہیں رکھی، ایک اناڑی کی طرح وہ کبھی اس پتے کو اور کبھی اس پتے کو دیکھتا رہا، اس کے بعد صحیح پتے پر انگلی رکھ دی۔

نوجوان شکاری نے اسے الٹ کر دکھایا اور محض اتفاق سمجھ کر اجنبی کو بیس روپے دے دیئے۔ دوسری بار اجنبی نے تیس روپے لگائے اور ساٹھ روپے جیت لئے۔ تیسری بار جب اس نے ساٹھ روپے داؤ پر لگائے تو نوجوان نے گھور کر پوچھا۔

"کون ہو تم؟ کیا یہ کھیل جانتے ہو؟"

"میں جانتا ہوں یا نہیں، یہ تم اپنے تجربے سے سمجھو۔ تم نے مجھے رقم لگانے کے لئے کہا ہے، میں داؤ پر رقم بڑھاتا جارہا ہوں۔ ہوسکے تو جیت کرلے جاؤ۔"

نوجوان نے غرا کر کہا۔ "تم بھی نوسرباز ہو۔ اب تک مجھے دھوکا دے رہے تھے۔ یہ رقم تم نہیں لے جاسکتے.........."

یہ کہہ کر اس نے پتوں کے پاس پڑی ہوئی رقم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اجنبی نے فوراً ہی اس کی کلائی کو جکڑلیا۔ دونوں زور آزمائی کرنے لگے۔ نوجوان سامنے رکھے ہوئے دس دس کے چھ نوٹوں تک پہنچنا چاہتا تھا اور اجنبی اس کے ہاتھ کو وہاں تک پہنچنے سے روک رہا تھا۔

لوکل ٹرین اپنی محدود رفتار سے بھاگتی جارہی تھی۔ ہوا کی زد میں دس دس کے کرارے نوٹ ڈگمگا رہے تھے اور اِدھر اُدھر سرک رہے تھے۔ ان دونوں طلبگاروں سے اڑ کر دور چلے جانا چاہتے تھے۔ شکاری نوجوان نے غصے سے کہا۔

"اپنی خیریت چاہتے ہو تو میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ تم نہیں جانتے کہ میں کتنا خطرناک ہوں۔ اس شہر کے بڑے بڑے بدمعاش میرے نام سے کانپتے ہیں۔"

"انہیں کانپنے کی بیماری ہوگی۔"

اجنبی کا جواب سنتے ہی اس نے دوسرا ہاتھ چلایا۔ اجنبی نے اسے اپنے دوسرے ہاتھ سے روک لیا لیکن وہ سر سے ٹکر مارنے میں کامیاب ہوگیا۔ اجنبی لڑکھڑا کر اپنی

سیٹ پر آ گیا۔ وہ بھی لڑنے کا فن جانتا تھا۔ اس نے نوجوان کے منہ پر ایک زور کی ٹھوکر ماری۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا' اپنی سیٹ پر آکر گر پڑا۔ پھر دونوں ہی ایک ساتھ اٹھے۔ اجنبی زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ دشمن کا ہاتھ چلنے سے پہلے ہی اس نے ایک گھونسہ اس کی ناک پر جڑ دیا۔ نوجوان کی آنکھوں کے سامنے لال پیلی ہری نیلی بتیاں جلنے بجھنے لگیں۔ دوسرا گھونسہ اس کی ٹھوڑی پر پڑا۔ وہ پلٹ کر کھڑکی کی چوکھٹ پر آگرا۔ وہ اپنے دونوں بازوؤں تک کھڑکی کے باہر جھول گیا تھا۔

اس وقت تک کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے مسافران کے قریب آگئے تھے۔ ان میں کچھ بوڑھے تھے اور کچھ دبلے پتلے ڈسکو نوجوان تھے۔ انہوں نے قریب جاکر بیچ بچاؤ کی جرأت نہیں کی۔ دور ہی دور سے چیختے چلاتے رہے۔ عورتیں بھی سہمی ہوئی سی تھیں۔ البتہ لڑکی دوڑتی ہوئی قریب چلی آئی تھی۔

اجنبی ہاتھا پائی میں اتنا مصروف تھا کہ اس نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا۔ دشمن کی گردن اس کے ایک ہاتھ میں تھی اس نے دوسرے ہاتھ سے کھڑکی کے شٹر کو نوجوان کے سر پر ایک جھٹکے سے گرا دیا۔ نوجوان کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ پٹریاں بدلتی ہوئی ٹرین کی کھڑکھڑاہٹ کے شور میں وہ چیخ گم ہوگئی اجنبی نے شٹر کو اٹھا کر نوجوان کی گردن چھوڑ دی۔ اس کا بھاری بھرکم جسم ڈھلکتا ہوا کھڑکی سے سیٹ کی طرف آیا اور وہ بے حس و حرکت فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کی ناک اور باچھوں سے خون بہہ رہا تھا اور اس کے دیدے پھیل گئے تھے۔

لڑکی بھی دیدے پھیلائے کبھی اس نوجوان کو دیکھ رہی تھی جو ایک لاش کی طرح بے جان نظر آرہا تھا اور کبھی سیٹ پر پھیلے ہوئے تاش کے پتوں اور دس دس کے نوٹوں کو تک رہی تھی۔ وہ چیزیں اسے بتا رہی تھیں کہ اس کا چاہنے والا اپنی پرانی روش پر آگیا ہے۔

اسی وقت ایک مسافر نے چیخ کر کہا۔

"ارے کوئی دیکھو' کہیں یہ مر تو نہیں گیا ہے؟"

اجنبی کو خطرے کا احساس ہوا اس نے جھپٹ کر ان نوٹوں کو سمیٹا' انہیں اپنی جیب میں رکھا پھر لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا دروازے کی طرف جانے لگا۔ پیچھے سے چند مسافروں نے للکارا۔

"خبردار۔ رک جاؤ۔ اسے پکڑو۔ یہ بھاگنا چاہتا ہے............"

اجنبی غرا کر پلٹا تو سب ہی سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس نے گھونسہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"اگر کسی نے شور مچایا یا ہمارا پیچھا کیا تو میں اسے بھی ٹھنڈا کردوں گا............"

یہ کہہ کر وہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا دروازے کے پاس آگیا۔ گاڑی کی رفتار کسی وجہ سے سست ہو رہی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر نچلے پائیدان پر آیا اور لڑکی کو بھی پائیدان پر بلانے لگا۔

"میں نہیں آؤں گی۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ "چھوڑ دو مجھے۔ تم نوسرباز ہو اور ہمیشہ نوسرباز ہی رہو گے۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

اجنبی نے اسے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اپنے کاندھے پر رکھ لیا۔ ٹرین سگنل کے قریب رکنے ہی والی تھی۔ اس نے پائیدان سے چھلانگ لگا دی۔ پھر ریل کی دوسری پٹریوں کو پار کرتا ہوا ریلوے باؤنڈری کی طرف بھاگنے لگا۔ ذرا دیر کے لئے اسے اپنے پیچھے مسافروں کا شور سنائی دیا تھا۔ پھر ایک گزرتی ہوئی مال گاڑی نے شور مچانے والوں کا راستہ روک لیا۔

وہ اس کے کاندھے پر پڑی ہوئی اس کی پشت پر جھول رہی تھی اور اس کی پشت پر گھونسے مارتی ہوئی مچل رہی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ تم غنڈے ہو' بدمعاش ہو' قاتل ہو۔ تم نے اسے مار ڈالا ہے۔ وہ مرچکا ہے۔ پولیس تمہیں پکڑ لے گی۔ تم کبھی سیدھے راستے پر نہیں آؤ گے............"

اس نے ریلوے باؤنڈری کو پار کر کے اسے کاندھے سے اتار دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے تیزی سے چلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی صفائی پیش کرتا جارہا تھا۔

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میری غلطی نہیں ہے۔ اس نے خود ہی مجھے کھیلنے پر اکسایا اور جب میں جیت گیا تو مجھ سے پیسے چھیننے لگا۔"

وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر بیچ سڑک میں کھڑی ہو گئی۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ تم نے تاش کو ہاتھ کیوں لگایا؟"

"اب وعدہ کرتا ہوں، کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"نہیں تم جھوٹے ہو۔ اب تک مجھے دھوکا دیتے رہے ہو۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ تم شرافت سے کبھی زندگی نہیں گذار سکتے۔ پتہ نہیں پہلے بھی تم نے کتنوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس بے چارے کو بھی مار ڈالا ہے۔ تم قاتل ہو۔"

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ میں قاتل نہیں ہوں۔ وہ نہیں مرا ہوگا۔ بھلا معمولی سے جھگڑے میں وہ کیسے مر سکتا ہے؟"

"جب پولیس آکے پکڑے گی تب تمہیں معلوم ہوگا میں فضول تمہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کون ہو تم میرے؟ کوئی نہیں ہو۔ میں تمہاری صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی.........."

وہ پلٹ کر تیزی سے جانے لگی۔ اجنبی دل برداشتہ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ آگے بڑھ کر پھر اسے پکڑ لے لیکن اسی وقت بہت دور سے ایک سپاہی آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھتے ہی اسے اپنا جرم یاد آگیا۔ اگرچہ اب کوئی اس کا پیچھا نہیں کر رہا تھا لیکن چور کے دل میں چور ہوتا ہے۔ اس نے فوراً ہی راستہ بدل دیا ویسے راستہ بدل سکتا تھا مگر محبت کو نہیں بھول سکتا تھا اور نہ ہی اسے تنہا چھوڑ سکتا تھا۔

وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر پھر اسی راستے پر آگیا لیکن اس وقت تک لڑکی ایک رکشے میں

بیٹھ چکی تھی۔ اس نے دور سے آواز دی۔ "رک جاؤ۔ میں آرہا ہوں۔ میری ایک بات سن لو.........." لیکن اس کی آواز رکشے کے شور میں دب گئی۔ یا پھر وہ سنتے ہوئے بھی انجان بن گئی اور رکشہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ کر تیزی سے بھاگتا ہوا دور بہت دور ہوتا چلا گیا۔

رات۔ چاند اور تنہائی۔ وہ تنہا رہ گیا۔ اسے چاند بے نور نظر آرہا تھا اور رات اس کے نصیب کی طرح کالی لگ رہی تھی۔ وہ کیا گئی کہ رات کی رنگینیاں بھی ساتھ لے گئی۔ اگر وہ ساتھ ہوتی تو ابھی اس کے ساتھ کسی پکچر ہاؤز کی گیلری میں ہوتی۔ پھر وہ کسی مہنگے ریسٹورنٹ میں رات کا کھانا کھاتے۔ اس کے بعد جب وہ اسے چھوڑنے کے لئے اس کے مکان تک جاتا تو اندھیری گلی میں وہ اسے پیار کرنے کا موقعہ ضرور دیتی۔ آہ! ایک بوسے کی تمنا دل ہی میں رہ گئی تھی۔ کہاں چلی گئی تھی وہ؟

اس کے روٹھ کر جانے پر پہلے تو اسے غصہ آیا لیکن وہ غصہ کسے دکھاتا؟ جب سامنے کوئی نہ ہو تو اپنی غلطیاں بھی رفتہ رفتہ سمجھ میں آنے لگتی ہیں۔ اس نے تسلیم کرلیا کہ تین پتے کھیل کر اس نے غلطی کی ہے۔ جو بات لڑکی کو پسند نہیں تھی، اس سے اجتناب کرنا چاہئے تھا۔ کیا محبت کی خاطر وہ تاش کا کھیل نہیں چھوڑ سکتا تھا؟

یہ سوچ کر اس نے خود کو گالی دی۔ "سالے کبھی تمہارے باپ نے بھی محبت کی تھی۔ پھر اسے ناراض کردیا۔ اب اسے کیسے مناؤ گے؟ ایک بار اسے منانے کے لئے اپنی ہتھیلی جلانی پڑی تھی۔ اب کیا خود کو جلا کر خاک کر ڈالوں؟ واقعی نفرت سے کسی کا گلا کاٹنا آسان ہے مگر محبت سے کسی کو گلے لگانا بہت مشکل ہے۔ میں کیسا مرد ہوں کہ ایک لڑکی کو گلے لگا کر نہیں رکھ سکتا۔ جب دیکھو اس کا دل توڑ دیتا ہوں.........."

وہ سوچتے سوچتے پیدل چلتا رہا۔ پھر اسے ایک رکشا مل گیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد وہ صدر پہنچ گیا۔ صدر کے فٹ پاتھ دکانداروں اور خریداروں سے آباد تھے۔ اس بھیڑ میں کتنی ہی عورتیں تھیں لیکن کوئی اس محبوبۂ دلنواز کی طرح نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس شہر کی سب سے حسین لڑکی تھی۔ نہیں، وہ خوبصورت نہیں تھی،

صرف قبول صورت تھی لیکن مرد جسے چاہتا ہے' وہی اسے دنیا کی سب سے حسین لڑکی نظر آتی ہے۔ اجنبی کی نظروں میں بھی اس لڑکی کے سوا کوئی دوسری جچتی نہیں تھی۔

وہاں دوسرے خوش شکل اور خوش لباس جوڑوں کو دیکھ کر اس نے سوچا کہ محبوبہ کو خوش کرنے کے لئے اسے کچھ تحفے پیش کرنے پڑتے ہیں۔ اگر وہ اسے منانے کے لئے کوئی قیمتی سا تحفہ خرید لے تو کیسا ہو؟ خیال اچھا تھا مگر پھر یہ خیال آیا کہ وہ روٹھی ہوئی حسینہ بات کرنا تک پسند نہیں کرتی' پھر تحفہ کیسے قبول کرے گی؟

آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جب وہ روٹھ جاتی ہے تو وہ مئوثر انداز میں ڈائیلاگ ادا نہیں کر سکتا ہے جو باتیں اسے کہنا چاہئے' وہ نہیں کہتا' جو نہیں کہنا چاہئے وہ باتیں زبان سے نکل جاتی ہیں۔ دراصل محبت کرنے سے پہلے یہ سیکھنا چاہئے کہ فلمی یا ڈرامائی انداز میں محبت بھرے' درد بھرے اور دل کو موم کر دینے والے مکالمے کس طرح ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی ہے جب تک بات دل کی گہرائی سے نکل کر زبان تک نہ آئے اور اس کا صحیح اظہار نہ ہو تو محبوبہ کی کھوپڑی میں بات نہیں اترتی۔ صحیح اظہار کے لئے زور دار ڈرامائی فقروں کی ضرورت تھی۔ یہ ضرورت پوری کرنے کے لئے وہ فٹ پاتھ کی ایک دکان کے آگے بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے بے شمار فلمی مکالموں اور گیتوں کی کتابیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ انہی کتابوں سے چیدہ چیدہ زود اثر آزمودہ مکالمے نوٹ کر کے اور انہیں سبق کی طرح یاد کر کے اس روٹھی ہوئی حسینہ کو منایا جا سکتا تھا۔

وہ اپنے حالات کی مناسبت سے کتابوں کا انتخاب کرنے لگا۔ پہلی کتاب جو اس نے اٹھائی' اس کا نام تھا۔ "حسینہ مان جائے گی۔" دوسری کتاب تھی۔ "میرا نام ہے محبت" لیکن اسے فوراً ہی واپس رکھ دیا کیونکہ بابرہ شریف کو کینسر ہو گیا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ بیماری مکالموں کے ذریعے اس کی محبوبہ تک پہنچ جائے۔ تیسری کتاب کا نام تھا "نوکر ووہٹی دا۔" اس فلم کے مکالموں سے وہ لڑکی کو یقین دلا سکتا تھا کہ وہ اس کی زلفوں کا اسیر ہے۔ اس کا غلام ہے لیکن پھر یہ سوچ کر وہ کتاب واپس رکھ دی کہ

منور ظریف عورت کا غلام بنتے ہی اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا تھا۔ عورت کو حکومت اور مرد کو غلامی راس نہیں آتی۔ کتابوں کا انتخاب کرتے وقت پتہ چل رہا تھا کہ اس ملک کی انڈسٹری نے اب تک کوئی ایسی فلم نہیں بنائی ہے جو ایک غنڈے بدمعاش اور نوسرباز کو معصومیت اور شرافت سے اپنے مردانہ وقار کا تحفظ کرتے ہوئے محبت کرنے کا درس دے سکے۔

ایک گھنٹے کے بعد جب وہ اپنے فلیٹ میں پہنچا تو اس پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ وہ فرش پر پالتی مارے بیٹھا تھا' اس کے سامنے بے شمار کتابیں بکھری پڑی تھیں۔ جو محبت کے آزمودہ نسخے بتا رہی تھیں اور وہ کاغذ قلم لئے یوں جھکا ہوا تھا جیسے کوئی وکیل زندگی اور موت کے درمیان مقدمہ لڑنے کے لئے قانون کی کتابوں سے اہم نکتے یادداشت میں محفوظ کر رہا ہو۔

☆------☆------☆

تاج محل شاہ جہاں کی اپنی دماغی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے۔ کہیں سے اینٹ منگوائی، کہیں سے گارا، کہیں سے انجینئر بلوائے اور کہیں سے مزدور سمیٹے، تب کہیں جاکر ایک تاج محل تعمیر ہوا۔ اجنبی نے بھی یہی کیا اپنی روٹھی ہوئی محبوبہ کو موم کرنے کے لئے اور محبت بھرے ڈرامائی مکالموں سے اس کی ناراضگی دور کرنے کے لئے اس نے ایک فلمی کتاب سے ایک عاشق نامراد کے مکالمے نوٹ کئے دوسری فلمی کتاب سے ایک جواری محبوب سے محبت کرنے کے فوائد چن چن کر لکھے۔ تیسری فلمی کتاب سے محبوبہ کو تڑپادینے والے گیتوں کے بول بھی شامل کرلئے یعنی کہیں کی اینٹ، کہیں کا روڑا، نوسرباز نے کنبہ جوڑا اور اس طرح ادب کی دنیا میں ایک شاہکار محبت نامہ تخلیق ہوگیا۔

دوسری صبح لڑکی اپنے مکان سے نکل کر کارخانے کی طرف جارہی تھی۔ راستے میں اجنبی کا گھر پڑتا تھا۔ اس روز وہ اس قدر ناراض تھی کہ اس کے دروازے کے قریب سے بھی گذرنا اسے گوارا نہ تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ راستہ ایک ہی تھا اس لئے مجبوراً سڑک کے دوسری طرف سے گذرنے لگی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ ایک بار ذرا سر گھما کر مکان کی طرف دیکھے۔ وہ یقیناً وہاں کھڑا ہوگا مگر اس نے اپنی اس خواہش کو کچل دیا۔ دل پر جبر کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ اسی وقت ایک دس سال کا لڑکا دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور ایک نیلے رنگ کا لفافہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے

بولا۔ "یہ لو۔"

"یہ کیا ہے؟" اس نے سوال کرتے ہوئے لفافے کو تھام لیا۔ لڑکا جواب دیئے بغیر جدھر سے آیا تھا، اُدھر بھاگتا چلا گیا۔ اس بھاگنے والے کے ساتھ ساتھ لڑکی کی نظریں بھی بھاگتی ہوئی اجنبی پر جاکر ٹھہر گئیں۔ تب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ اس کے محبوب کا خوشامد نامہ ہے۔ وہ پسیج گئی۔ ناراضگی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے نفرت کرتی تھی، بلکہ ناراض ہوکر اس نے خود ہی اپنی رات کی نیند حرام کرلی تھی۔ ہر کروٹ پر وہ گمراہ عاشق اسے تڑپاتا رہا تھا اور اس کے دماغ میں کتنی ہی یادوں کے انگارے بن کر سلگتا رہا تھا۔

اس نے سر کو جھکا لیا۔ لفافے سے تہہ کئے ہوئے کاغذ کو نکالا اور اپنے محبوب کی تڑپتی ہوئی تحریر پڑھنے لگی۔

خط کی ابتدا کچھ ایسی دلگداز تھی کہ وہ ایک ایک لفظ پر پگھلتی چلی گئی۔ اسے پہلی بار پتہ چلا کہ اس کا محبوب صاحبِ دل، صاحبِ قلم اور صاحبِ کمال ہے۔ اس نے ایسے لچھے دار فقرے لکھے تھے کہ پڑھ کر دل جھوم جھوم جاتا تھا۔ اگر وہ ٹیکسی چلانے کی بجائے ہجر و وصال کی کہانیاں لکھنا شروع کردیتا تو اچھے اچھے دھانسو قسم کے مصنفین کا تختہ کرکے رکھ دیتا۔

وہ پڑھتی گئی اور متاثر ہوتی گئی لیکن ایک جگہ پہنچ کر تحریر کھٹکنے لگی۔ اسے کچھ یوں لگا جیسے یہ باتیں وہ پہلے بھی سن چکی ہے۔ کہاں سنی ہیں؟ ذرا سا ذہن پر زور دیتے ہی یاد آگیا کہ وہ ایک مشہور فلم کے مکالمے ہیں اس کے بعد جس فلم کے تڑپا دینے والے مکالمے تھے، وہ فلم لڑکی دیکھ چکی تھی۔ آخر میں گیتوں کے چند بول واضح طور سے چغلی کھانے لگے کہ وہ محبت نامہ اس کے محبوب کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ مختلف فلمی مکالموں کا کاک ٹیل ہے۔

وہ غصے سے اپنے نچلے ہونٹ کو چباتی ہوئی اجنبی کو گھور کر دیکھنے لگی۔ وہ بتیسی نکالے ذرا جھجکتے ہوئے اس کی طرف آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا تھا لڑکی نے خط کے دو

ٹکڑے کئے۔ اجنبی ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس خط کے چار ٹکڑے ہوئے' اس کے بعد آٹھ ٹکڑے ہوئے اور وہ دل کے ہزار ٹکڑوں کی طرح دستِ نازک سے نکل کر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ وہ غصے سے تلملاتی ہوئی اپنے کارخانے کی طرف جانے لگی۔

وہ سوچتی جا رہی تھی۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ فٹ پاتھ سے سستی محبت کے نسخے خرید کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر جمع کر دیا اور اسے اپنے دل کی آواز بنا کر پیش کر دیا۔ کیا اس کے اپنے دل کی اپنی آواز نہیں ہے؟ کیا وہ لفظوں کا بھکاری ہے؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ محبت گونگی ہوتی ہے۔ لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ گونگی اداؤں سے روٹھتی اور محبوب کے گونگے اشاروں سے من جاتی ہے۔ اللہ کیسے آدمی سے دل ہار بیٹھی ہوں۔ یہ تو محبت میں بھی نوسربازی کے کرتب دکھاتا ہے۔

کارخانے پہنچ کر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی اور کام کے دوران اپنے دل کے مالک کو بھلا دینے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کے سامنے مغربی ممالک سے آئی ہوئی جدید ملبوسات کے ڈیزائنوں کی کئی کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ان کتابوں کی مدد سے نئے ڈیزائن کے ملبوسات تیار کرتی تھی۔ مغربی ممالک میں ہر نئے موسم کے لحاظ سے فیشن بدلتا ہے۔ وہ بدلتے ہوئے فیشن میں مشرقی تہذیب کے مطابق اضافے کرتی تھی' کاٹ چھانٹ کرتی تھی اور اس طرح اس میں سے مغربیت ہٹا کر مشرقیت لے آتی تھی۔ یہ اس کا کمال تھا۔ بالکل ایسا ہی کمال اس کے محبوب نے بھی دکھایا تھا۔ مختلف فلمی کتابوں کی مدد سے اس نے ایک محبت نامے کا ڈیزائن تیار کیا تھا۔ اصل مکالموں میں کاٹ چھانٹ کی تھی۔ اپنی طرف سے کچھ اضافے کئے تھے اور اس طرح فلمی محبت کے پس پردہ اپنے دھڑکتے ہوئے دل کو پیش کیا تھا............ پھر اس نے کیا جرم کیا تھا۔ وہ بھی تو کسی مغربی لباس کا گلا کاٹتی تھی' کسی کی آستین جوڑتی تھی اور کسی کے دامن پر مشرقی طرز کے بیل بوٹے بناتی تھی۔ ایک نوسرباز کی طرح ہر لباس کا کونہ موڑ دیتی تھی۔ اس دنیا میں نوسربازی کہاں نہیں ہوتی؟ ہر جگہ' ہر گلی' ہر گھر اور ہر بازار میں ہوتی ہے چونکہ اونچے معیار سے ہوتی ہے یا چھپ چھپا ہوتی ہے اس لئے نظر نہیں

آتی۔ اجنبی بڑی سادگی اور ایمانداری سے خود کو نہیں چھپاتا تھا اس لئے وہ بدنام نوسرباز تھا۔

وہ جتنا سوچتی گئی' اتنا ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا گیا۔ اس نے تسلیم کر لیا کہ اجنبی نے جو کچھ لکھا تھا وہ اس کے دل کی آواز تھی۔ اظہار کے لئے صرف الفاظ چرائے گئے تھے اور یہ کہنا غلط ہے کہ الفاظ چرائے جاتے ہیں الفاظ اور چند گنے چنے فقرے سب کی ملکیت ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی بھی کسی وقت بھی استعمال کر سکتا ہے اور اجنبی نے مناسب وقت پر مناسب الفاظ اور مناسب فقرے استعمال کئے تھے' جنہیں اب وہ یاد کر رہی تھی اور چپ چاپ متاثر ہوتی جا رہی تھی۔

شام تک وہ اجنبی کے متعلق سوچتی رہی اور اپنا کام کرتی رہی اب اپنے محبوب کی جتنی بھی الٹی سیدھی حرکتیں تھیں' وہ سب اس کی سچی محبت کی غماز نظر آ رہی تھیں۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے محبوب کی قدر نہیں کی۔ اسے فراڈ سمجھتی رہی۔ حالانکہ وہ اپنی عقل کی بساط کے مطابق اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کرتا آیا تھا۔

شام کو وہ اسٹائلو سے باہر آئی تو دُور دُور تک کتنے ہی لوگ نظر آئے لیکن وہ نظر نہ آیا۔ وہ بہت دیر تک کھڑی اِدھر اُدھر دیکھتی رہی اور مایوس ہوتی رہی۔ پھر دل برداشتہ ہو کر گھر کی طرف جانے کے لئے فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔

چند قدم چلنے کے بعد وہ رک گئی۔ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر لوگوں کی بھیڑ میں وہ نظر آ رہا تھا۔ لوگ آ رہے تھے' جا رہے تھے۔ وہ ایک جگہ الیکٹرک پول سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ہجوم کی آمدورفت میں کبھی نگاہوں سے چھپ رہا تھا اور کبھی اجاگر ہو رہا تھا۔ وہ لڑکی کو دیکھ رہا تھا اور لڑکی اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی اور اپنے آپ پر ناز کر رہی تھی۔ کوئی تو ہے جو اس کی جستجو میں ہے۔ اس کے لئے سدا بے چین رہتا ہے۔ اس کے پیچھے سائے کی طرح رہتا ہے اس کے آگے چٹان کی طرح جم جاتا ہے۔ اس دنیا میں ایسی خوش نصیب لڑکیاں بہت کم ہیں جنہیں ایسا دیوانہ نصیب ہوتا ہے۔

وہ چند لمحوں تک کھڑی سوچتی رہی۔ پھر آگے بڑھنے لگی۔ ذرا آگے بڑھ کر وہ بائیں طرف کی ایک گلی میں مڑ گئی۔ وہاں لوگوں کی بھیڑ نہیں تھی۔ اکا دکا راہگیر نظر آئے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اجنبی اس کے پیچھے آئے گا تو اس گلی میں اطمینان سے باتیں ہوں گی اور وہ اس کی غلطی کو معاف کر دے گی کچھ دور جانے کے بعد اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو اس پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ ایک شخص جو صورت سے بدمعاش نظر آ رہا تھا' اس کی طرف تیزی سے بڑھتا آ رہا تھا۔

وہ جلدی سے پلٹ کر اسی راستے پر جانا چاہتی تھی' جہاں اپنے محبوب کو چھوڑ آئی تھی لیکن اس بدمعاش نے راستہ روک لیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس وقت آس پاس کوئی راہگیر نہ تھا۔ راستہ بالکل صاف تھا۔ اس نے فوراً ہی پرس پر ہاتھ ڈالا۔ لڑکی تو اسے دیکھتے ہی محتاط ہو گئی تھی اس لئے اپنے پرس پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ دونوں میں چھینا جھپٹی ہونے لگی ایسے وقت حواس یوں گم ہو جاتے ہیں کہ حلق سے آواز بھی نہیں نکلتی۔ اسے چیخنے چلانے کا خیال آیا لیکن اس کی بھیانک صورت دیکھ کر یہ بھی ڈر لگ رہا تھا کہ وہ ظالم کہیں گلا نہ دبوچ لے۔

بس ذرا دیر کی کش مکش تھی۔ بدمعاش نے پرس چھین لیا لیکن اسے لے کر بھاگ نہ سکا۔ عین وقت پر ہیروئن کی مدد کے لئے ہیرو پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی ایک گھونسہ وِلن کے منہ پر جڑ دیا۔ اس کے ہاتھ سے پرس چھوٹ کر زمین پر آ گیا۔ لڑکی نے پرس اٹھاتے ہوئے دیکھا تو وہ بدمعاش دوسرا گھونسہ کھانے کے بعد چکرا کر گر پڑا تھا۔ چند لمحوں تک وہ دیدے پھیلائے یوں دیکھتا رہا جیسے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔ پھر اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا تو اس کی ہتھیلی پر خون نظر آنے لگا۔ اجنبی کے گھونسے نے اس کے جبڑے ہلا دیئے تھے اور اس کی باچھوں سے خون رسنے لگا تھا۔

اجنبی نے فخریہ انداز میں اپنی محبوبہ کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ دیکھ لو' اگر اپنے مرد سے روٹھی رہو گی تو تمہیں تنہا پا کر نہ جانے کتنے بدمعاش چھیڑتے رہیں گے۔ بات درست تھی۔ لڑکی اپنے جیالے محبوب کو بڑے فخر سے دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں

وہ بدمعاش اچانک ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اجنبی کی طرف انگلی اٹھا کر کہنے لگا۔

"یہ۔ یہ سراسر بے ایمانی ہے۔ تم نے کہا تھا آہستہ سے مارو گے مگر میرے جبڑے ہل گئے ہیں۔ خون بہہ رہا ہے۔ اب دس روپے والا نوٹ نہیں چلے گا تمہیں بیس روپے دینے پڑیں گے۔ مرد کو اپنی زبان پر قائم رہنا چاہئے۔ نکالو بیس روپے.........."

لڑکی حیرانی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ جب اس کی بات سمجھ میں آ گئی تو اس نے غصے سے تلملا کر اپنے محبوب کو دیکھا۔ وہ جھینپ کر کہنے لگا۔

"تم اس کی بات کا خیال نہ کرو۔ معلوم ہوتا ہے یہ بہت ہی ضرورت مند ہے۔ اسی لئے تمہارا پرس چھین رہا تھا۔ مجھے اس کی مدد کرنا چاہئے۔ بیس روپے کون سی بڑی بات ہے۔ پھر یہ کہ بے چارے کے منہ سے خون بہہ رہا ہے۔"

وہ اپنی جیب سے روپے نکالتے ہوئے وِلن کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکی غصے سے پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے جانے لگی۔ کرائے کے وِلن کو معاوضہ ادا کرنے کے بعد وہ لڑکی کے پیچھے جاتے ہوئے سوچنے لگا۔

سالی اپنی قسمت ہی خراب ہے۔ میں نے تو ہلکا ہاتھ چلانا چاہا تھا مگر لڑکی کے سامنے خواہ مخواہ جوش آ گیا۔ گھونسہ وزنی ہو گیا۔ سارا منصوبہ چوپٹ ہو گیا۔ اب تو یہ مجھے اول درجے کا دھوکے باز سمجھے گی۔ کیا مصیبت ہے؟ پتہ نہیں لوگ کس طرح محبت کر لیتے ہیں اور اپنی روٹھی ہوئی محبوباؤں کو منا لیتے ہیں۔ یا تو میں سچ مچ اناڑی ہوں یا پھر یہ لڑکی ہی ضرورت سے زیادہ نخرے بگھارتی ہے۔ ہت تیرے نخرے میں گرم مسالہ۔ آج تو میں تجھے منا کر ہی رہوں گا..........

وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کے برابر آ گیا لیکن اپنی صفائی میں کچھ کہہ نہ سکا۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تو کوئی نہ کوئی راہگیر ان کے درمیان راستہ بناتے ہوئے اس طرح گذر جاتا کہ وہ ندی کے دو کنارے بن کر رہ جاتے تھے۔ صدر دواخانے سے دور نکل جانے کے بعد بھیڑ کم ہو گئی۔ اجنبی نے چلتے چلتے اسے بڑے پیار

سے مخاطب کیا لیکن وہ گونگی بہری بنی سیدھے راستے کی طرف دیکھ کر چلتی رہی۔ بڑی مشکل تھی۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق ہر جگہ ٹیکسی کا اسٹیئرنگ موڑ دیتا تھا لیکن ایک لڑکی کو اپنی طرف نہیں موڑ سکتا تھا۔

ویسے لڑکی خود ہی مڑ گئی۔ جب اجنبی کے مکان کے سامنے پہنچی تو چپ چاپ راستہ بدل کر دروازے کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ اجنبی کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے خوش ہو کر اپنی جیب سے چابی نکالی اور دروازے کا تالا کھول دیا۔

"میں جانتا تھا کہ تم ناراض نہیں ہو گی۔ میری اس آخری غلطی کو نظرانداز کردو گی۔ اب میں کبھی تاش کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"آخری غلطی؟" لڑکی نے کمرے میں آکر کہا۔ "تمہاری کوئی غلطی آخری نہیں ہوتی۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری غلطی کرتے چلے جاتے ہو۔"

"تم بھی تو ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری بات پر ناراض ہوتی چلی جاتی ہو۔"

"ناراضگی تم پیدا کرتے ہو۔ آخر یہ کیا حماقت تھی۔ تم نے اس بدمعاش کو کرائے پر کیوں حاصل کیا تھا؟"

"اس بدمعاش کا ذکر نہ کرو۔ خواہ مخواہ بیس روپے ضائع ہو گئے۔ میں نے سنا تھا کہ عورت کو ذرا دھمکا کر رکھنا چاہئے۔ اس پر یہ ثابت کرتے رہنا چاہئے کہ وہ اپنے مرد سے جھگڑا کر کے کہیں جائے گی تو دنیا والے عیاش شکاری بن کر اسے شکار کرتے رہیں گے۔ کیا تم نے وہ فلم نہیں دیکھی، جس میں ایک بدمعاش ہیروئن کو چھیڑتا ہے۔ پھر عین وقت پر ہیرو............"

لڑکی نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی، فوراً ہی اپنے ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "تم جو فلم دکھا رہے ہو، اس کے بعد کوئی دوسری فلم دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ خدا کے لئے سنجیدگی سے سوچو۔ ہم فلم کے نہیں، اس دنیا کے جیتے جاگتے کردار ہیں۔ کیا شادی کے بعد بھی تم ایسی ہی حماقتیں کرتے رہو گے؟"

اس نے لڑکی کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

"مرد شادی سے پہلے حماقت کرتا ہے یعنی محبت کرتا ہے اسی لئے تو شادی کرتا ہے۔ شادی کے بعد اسے عقل آتی ہے............ اگر تم چاہتی ہو کہ مجھے تمہاری مرضی کے مطابق عقل آئے تو اب مجھ سے شادی کرلو۔ میں تم سے دور نہیں رہ سکتا۔"

یہ کہہ کر اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا، اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ بڑی مدت کے بعد اسے عقل آئی تھی کہ حسن کے در پر ہمیشہ سوالی بن کر رہنے سے مرادیں پوری نہیں ہوتیں کبھی کبھی چھیننے اور جھپٹنے کا عمل بھی ہونا چاہئے۔ ہٹ تیرے نخرے میں گرم مسالہ............ وہ تڑپتی رہی۔ تڑپنے سے کیا ہوتا ہے؟ جب عورت زبان سے انکار نہ کرے تو اس کے تڑپنے اور مچلنے میں کتنے ہی معنی اور کتنے ہی اشارے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ سمجھنے والے ہی سمجھتے ہیں کہ وہ گونگی اداؤں سے انکار بھی کرتی ہے اور اقرار کے اشارے بھی چھوڑتی جاتی ہے............ آہستہ آہستہ اس کی گداز بانہیں بھٹکتی ہوئی، ذرا ذرا سرکتی ہوئی اپنے محبوب کے گلے کا ہار بن گئیں۔ پھر وہ بوسہ جو ہاکس بے میں سمندر کے ساحل پر بھی پیاسا رہا تھا، وہ لبِ لعلیں تک پہنچ کر لالوں لال ہوتا چلا گیا۔ ملائم لبوں کی حلاوت اسے ایک عجیب عجیب سی، نئی نئی سی لذت سے آشنا کر رہی تھی۔

پھر نہ جانے وہ کیسے اس کی گرفت سے نکل گئی۔ وہ جذبات سے تھرا رہی تھی۔ حیا سے سرخ ہو رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنا پرس اٹھایا اور بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆------☆------☆

اس نے کارخانے سے باہر آکر ذرا نگاہیں اٹھائیں تو اجنبی نظر نہیں آیا۔ وہاں لکی اسٹار کے موڑ پر کوئی اور ہی تھا اور اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سیدھی اپنی راہ پر چلنے لگی۔ اسے دوبارہ پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہتی تھی لیکن اس اجنبی کی شکل کچھ ایسی تھی کہ وہ دوبارہ دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ پھر اسے دیکھتے ہی کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ

اس کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔

وہ لانبے قد کا ایک دبلا پتلا سا جوان تھا۔ اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ ناک نوکیلی اور آگے کو طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی تھی۔ صرف اس کی ناک ہی طوطے کی طرح ہوتی تو وہ اس کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہوتی۔ توجہ کی بات یہ تھی کہ وہ سبز رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھا اور اس لباس کی وجہ سے ہُوبہو طوطا نظر آرہا تھا۔

لڑکی تیزی سے فٹ پاتھ کی بھیڑ چیرتی ہوئی آگے بڑھتی جارہی تھی اور بار بار پیچھے دیکھتی جارہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ پیچھا کرنے والے کی نیت کیا ہے؟ بس وہ خطرہ محسوس کررہی تھی۔ یہ جوان لڑکیوں کی فطرت ہوتی ہے۔ کوئی بھی پیچھے آئے تو وہ خود بخود تیزی سے آگے آگے بھاگنے لگتی ہیں۔

اس بار کوئی ڈرامہ نہ تھا۔ اجنبی اس کا دل جیت چکا تھا۔ اس کی ناراضگی دور کرچکا تھا اس لئے اب اسے چھیڑنے یا دھمکانے کے لئے وہ کسی بدمعاش کو اس کے پیچھے نہ لگاتا۔ پھر اجنبی نے کہہ دیا تھا کہ وہ آج شام چھ بجے تک ٹیکسی چلائے گا اور سات بجے اپنے مکان میں واپس آئے گا۔ لہٰذا یہ سوچنا حماقت تھی کہ اجنبی پھر وہی ڈرامہ کھیل رہا ہے۔ وہ طوطا سچ مچ کوئی بدمعاش تھا اور بڑے اطمینان سے اس کے پیچھے چلا آرہا تھا۔

وہ چوک پار کرکے بسوں کے درمیان سے گذرنے لگی۔ ارادہ یہ تھا کہ وہ بسوں کے درمیان چھپتی چھپاتی نکل جائے گی لیکن بسوں کے ہجوم سے نکل کر جب وہ ویران فٹ پاتھ پر چلنے لگی تو سبز رنگ کا طوطا پھر نظر آگیا۔ اس بار وہ لانبے لانبے ڈگ بھرتا ہوا تیزی سے اس کے قریب آرہا تھا۔

وہ اچانک ہی رک گئی۔ اس نے سوچا' گھبرانے کی کیا بات ہے؟ یہ جگہ بالکل ہی ویران نہیں ہے۔ اکا دکا لوگ گذر رہے ہیں۔ وہ مجھے مار تو نہیں ڈالے گا؟ دیکھنا چاہئے کہ وہ پیچھا کیوں کررہا ہے؟

اسے رکتے دیکھ کر پیچھا کرنے والا بھی ایک جھٹکے سے رک گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں

سکتا تھا کہ لڑکی یوں دلیری سے اس کا سامنے کرنے رک جائے گی۔ اسی لئے وہ کسی قدر بوکھلا گیا۔ لڑکی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہو تم؟ میرے پیچھے کیوں آرہے ہو؟"

لڑکی کے تیور بتا رہے تھے کہ اگر اسے معقول جواب نہ ملا تو وہ چیخنا چلانا شروع کردے گی اور اپنی حمایت کے لئے لوگوں کو جمع کرلے گی۔ طوطے کی ناک والے نے فوراً ہی ناک سے کہا۔

"اوں مرگیاں............"

"کون مرگیا؟" لڑکی نے چونک کر پوچھا۔

طوطے نے جواب دیا۔ "پرسوں ٹرین میں تمہاریں آندمی نے جس آندمی کو مارا تھا' اوں مرگیاں............"

لڑکی کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ چشم زدن میں لوکل ٹرین کا منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔ اجنبی اس نوسرباز کو گھونسے مار رہا تھا۔ اس کی گردن پر کھڑکی کا شٹر گر رہا تھا۔ پھر وہ نوسرباز بے دم ہوکر ایک لاش کی طرح سیٹ کے قریب گر پڑا۔ لوگ چلا رہے تھے کہ وہ مرچکا ہے............

وہ منظر نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ لڑکی نے اپنی گھبراہٹ پر ذرا قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تت۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ معمولی سے جھگڑے میں وہ نہیں مرسکتا۔"

وہ ناک سے ہنسنے لگا۔ "ہیں۔ ہیں۔ ہیں۔ میں ہنس پتال میں اس کیں لانش دینکھ کے آرہا ہوں۔ ہنس پتال یہاں سے دور نہیں ہیں۔ وہاں جاں کے دینکھ لوں لیکن پونلیس تمہیں دیکھتے ہی تمہاریں آندمی کا پتہ پوچھیں گی۔ چلنا چاہتی ہو تو چلوں............"

وہ کیسے جاسکتی تھی؟ پولیس والوں کو اپنے پیچھے کیسے لگا سکتی تھی؟ اس وقت اسے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا۔ اس کی ایک ذرا سی غلطی سے اس کا محبوب پولیس کے

ہتھے چڑھ جاتا۔ اس نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"میں تمہاریں کام کاں آندمی ہوں۔ کسیں ریسٹورنٹ میں چل کر بیٹھو میں ضروری باتیں کرنا چاہنتا ہوں۔"

"میں کسی غیر آدمی کے ساتھ ریسٹورنٹ میں نہیں جاتی۔ جو کہنا ہے یہیں کہو۔"

"تو پھر جو کہنا ہو گاں' اوں میں پولیس والوں سے کہوں گا۔ مجرم کا پتا بتانے سیں مجھے انعام ملیں گاں۔"

لڑکی کے جی میں آیا کہ اس کی ناک پکڑ کر زور سے مروڑ ڈالے وہ کمبخت اس کی محبت اور اس کی مسرتوں کو قانون کے حوالے کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ وہ بھلا کیسے برداشت کرتی کہ اس کے محبوب کو ہتھکڑی لگ جائے۔ اس وقت تو نرمی اور خوشامد سے کام نکل سکتا تھا۔ وہ عاجزی سے کہنے لگی۔

"اب وہ مجرم نہیں ہے۔ اس نے مجرمانہ زندگی سے توبہ کرلی ہے۔ اب وہ شرافت سے ٹیکسی چلاتا ہے حلال کی کمائی کھاتا ہے۔"

"اوں جج کر کیں آں جائیں' تب بھیں قانون کیں نظروں میں مجرم رہیں گاں۔ اسیں بچانا چاہتی ہوں تو میری بانت مانو۔ ریسٹورنٹ میں نہ سہیں' اپنے مکان میں چل کربانت کروں۔"

یہی مناسب ہے۔ لڑکی نے سوچا۔ اس طوطے کو طوطے کی طرح سمجھانے کے لئے اپنے گھر کا ماحول سازگار ہوگا۔ وہ چپ چاپ سر جھکا کر چلنے لگی۔ طوطے نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاریں آندمی کے پانس جاسکتا تھاں مگر اوں فوں لادہیں۔ خردماغ ہیں۔ مار پیٹ کریں گاں۔ میں مارپیٹ نہیں کرنا چاہنتا تمہاریں آندمی کو بچانا چاہنتا ہوں۔"

"آپ کی بڑی مہربانی ہے۔ میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ دیکھئے' میں جہاں رہتی ہوں' وہاں صرف عورتیں رہتی ہیں۔ آپ کا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔

کیا آپ اپنی ضروری باتیں یہاں نہیں کرسکتے؟"

"نہیں۔ ضروری باتیں رانستے میں نہیں ہوتیں۔ میں سمجھتا تھاں کہ تم ہر حال میں اپنے آندمی کو بچانے کی کونشش کروں گی۔ اگر نہیں بچانا چاہتیں تو نہ سہیں' میں ابھی تھانے چلا جاتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ دوسری طرف جانے کے لئے پلٹ گیا۔ لڑکی نے جلدی سے اس کا بازو تھام کر کہا۔

"نن۔ نہیں۔ آپ تھانے نہ جائیں۔ میں۔ میں آپ کی ضروری باتیں سنوں گی۔ آپ میرے گھر چلئے۔ اب میں انکار نہیں کروں گی مگر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں ایک شریف لڑکی ہوں۔"

"میں بھیں ایک شرنیف آندمی ہوں۔"

وہ خاموشی سے سر جھکا کر چلنے لگی۔ اس کا دل بھاری ہو رہا تھا۔ راستہ چلتے ایک مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ اگر وہ اسے گلے سے اتار کر پھینکتی تو پھانسی کا پھندہ اس کے محبوب کے گلے تک پہنچ جاتا۔ وہ تمام راستے سوچتی رہی۔ مکان کے دروازے پر پہنچ کر اس نے کہا۔

"آپ یہاں ٹھہریئے' میں ابھی آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت اندر سے ایک عورت دروازہ کھول کر باہر آنے لگی۔ پھر انہیں دیکھ کر رک گئی۔ اس کے پیچھے مکان کی مالکہ تھی۔ لڑکی نے طوطے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مکان کی مالکہ سے کہا۔

"یہ میرے مہمان ہیں۔ چائے پی کے چلے جائیں گے۔ کیا میں انہیں اپنے کمرے میں لے جاسکتی ہوں؟"

وہ عورت اور مکان کی مالکہ کچھ حیرانی سے کچھ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اس طوطے نما انسان کو دیکھ رہی تھیں۔ عورت نے کہا۔

"ہاں ضرور۔ تم کمرے کا کرایہ دیتی ہو۔ لہٰذا اپنے مہمان کو وہاں مدعو کرسکتی

ہو۔ انہیں شوق سے لے جاؤ۔"

وہ طوطے کے ساتھ دہلیز پار کرتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مکان کی مالکہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ اتنی اچھی لڑکی ہے۔ میں اب تک یہ سمجھ رہی تھی کہ اس نے کسی ڈھنگ کے آدمی کو پسند کیا ہوگا۔ مگر یہ تو میاں مٹھو ہے۔"

اس کے ساتھ والی عورت نے جواب دیا۔

"ہم عورتیں ایسے ہی مرد کو پسند کرتی ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں میاں مٹھو بن کر رہے۔ مگر یہ تو صورت شکل سے بھی گیا گزرا ہے۔ اونہہ! ہمارا کیا جاتا ہے وہ طوطے کو تو کیا، کسی اُلّو کو بھی پسند کر سکتی ہے۔"

وہ دونوں اپنے اپنے طور پر تبصرہ کرتی ہوئی مکان سے باہر چلی گئیں۔ لڑکی نے اپنے کمرے کے اندر آکر پوچھا۔

"اب بتائیے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

وہ طوطے کی طرح گردن گھما گھما کر کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے لڑکی کی جانب گھوم کر جواب دیا۔

"میں تھانے میں اطلاں دوں گاں تو مجھے انعام ملے گاں۔ اطلاع نہیں دوں گاں تو تم مجھے کیاں دوگی؟"

بڑا بے باک اور غیر متوقع سوال تھا۔ وہ کچھ سمجھتے ہوئے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کا منہ تکنے لگی۔

"میراں منہ نہ دیکھوں۔ منہ بند کرنیں کے لئے کچھ ناں کچھ تو دینا ہی پڑے گاں۔"

"مم۔ میں ایک غریب لڑکی ہوں۔ ملازمت کرتی ہوں۔ بھلا آپ کو کیا دے سکتی ہوں؟"

"تم ہر ماہ دو سو روپے دے سکتی ہوں۔"

"دو سو............؟ لیکن میں اپنی آدھی تنخواہ دے کر کیسے گذارہ کر سکوں گی؟"

"اپنے آندمی کو بچانے کے لئے یہ ماں مولی رقم ہیں۔ تم اپنے آندمی کو ادائیں دکھاں کر چار سو بھی وصول کر سکتیں ہوں لیکن خبردار! اس خردماغ سے میں راز کرنہ کرناں۔ وہ مجھے مارنے آئے گاں تو میں تھانے پہنچ جاؤں گاں۔ پھراوں جنیل چلاں جائے گاں۔ پھراس کوں پھانسی کیں سزاں ملے گیں............"

وہ کہہ رہا تھا اور لڑکی چشم تصور میں اسے جیل جاتے ہوئے اور پھانسی پاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ گھبرا کر بولی۔

"نن نہیں۔ آپ ایسا نہ کہیں۔ میں دو سو روپے دوں گی۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو تمہیں دو سو دے دیا کروں گی۔"

وہ اپنی دائیں ہتھیلی پھیلا کر بولا۔

"اس ماہ کیں دو سوں نکاں لو............"

"آں۔ ابھی میرے پاس نہیں ہیں۔ میری تنخواہ ایک ہفتہ کے بعد ملے گی۔"

"اینک ہفتے تنک میں ری زبان بند نہیں رہے گی۔ مجھے پیسوں کی ضروں رت ہے۔ ابھیں تھانے جاؤں گا تو شاباشیں بھیں ملے گیں۔ انعام بھیں ملے گاں۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہنے لگی۔

"خدا کے لئے میری مجبوریوں کا خیال کیجئے۔ میں تنخواہ سے پہلے اتنی بڑی رقم کیسے دے سکتی ہوں؟"

"دیں سکتی ہوں۔ کسی سے اوں دھار لو۔"

"مہینے کی آخری تاریخوں میں یہاں سب ہی کا ہاتھ تنگ ہوتا ہے۔ مجھے کہیں سے ادھار نہیں ملے گا۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں کہتی۔ نہ ہی آپ کو ٹالنا چاہتی ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کیجئے۔ میں پہلی تاریخ کو آپ کا مطالبہ پورا کردوں گی۔"

وہ اس کی التجا سن رہا تھا۔ اس کی نظریں نعمت خانے پر رکھے ہوئے گیند نما ریڈیو پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں آیا اور ریڈیو کو مٹھی میں لے کر بولا۔

"اینک ہفتے تک یہ میں رے پانس گروی رہے گاں۔"

وہ تیزی سے قریب آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر التجا آمیز لہجے میں بولی۔

"یہ اس نے مجھے تحفہ دیا ہے کبھی وہ ادھر آگیا تو میں کیا جواب دوں گی کہ اس کا تحفہ کہاں غائب ہوگیا ہے؟"

"اس قاں تل سے کہہ دینا تمہیں دوسوں کی ضرورت تھیں تم نے اسے گروی رکھ دیاں ہیں۔"

"نہیں۔ محبت سے دیئے ہوئے تحفے کو گروی نہیں رکھا جاتا۔ یہ تحفہ دینے والے کی توہین ہے۔ میں ایسا نہیں کرسکتی۔"

اس نے جواب دینے کی بجائے لڑکی کے ملائم ہاتھوں کو دیکھا جو خوشامدانہ انداز میں اس کے ہاتھ کو تھامے ہوئے تھے۔ اچانک ہی طوطے کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ وہ گورے گورے ہاتھ بتا رہے تھے کہ وہ حسینہ اپنے بدن میں دور دور تک ایسی ہی گوری ملائمیت رکھتی ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے ریڈیو آن کردیا۔ کمرے کی خاموشی میں یکبارگی موسیقی گونجنے لگی۔ کسی انگریزی دھن پر آرکسٹرا گونج رہا تھا۔ اس نے ریڈیو کو واپس نعمت خانے میں رکھ کر اس کے ملائم ہاتھوں کو تھام لیا۔

وہ ایسی نادان تو نہیں تھی کہ ہاتھ تھامنے کا مقصد نہ سمجھتی اور ایسی نادان بھی نہیں تھی کہ غصہ سے ہاتھ چھڑا کر اسے اپنا دشمن بنالیتی۔ وہ مصلحتاً مسکرانے لگی اور دھیرے دھیرے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

"مم۔ میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ پلیز۔"

اس نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کی درخواست منظور تو ہوگئی۔ مگر ہاتھ چھوڑ کر اس نے اس کے دونوں بازوؤں کو مضبوطی سے تھام کر کہا۔

"اینک ہفتے تک تم گروی رہ جاؤ............"

"نہیں!" آرکسٹرا کا ایک بینگ ہوا۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنے بازوؤں کو چھڑا کر پیچھے ہٹی مگر لڑکھڑا گئی۔ طوطے نے اسے سنبھلنے کا موقعہ نہیں دیا اسے رگیدتے ہوئے

بستر پر آگرا۔ ایک ساتھ آرکسٹرا کے کتنے ہی وائلن چیخنے لگے۔

لڑکی کا ذہن بھی چیخ رہا تھا۔ وہ اپنے محبوب کی سلامتی کے لئے سب کچھ کرسکتی تھی۔ مگر عزت نہیں دے سکتی تھی اور نہ ہی اس بلیک میلر کو یہ موقعہ دے سکتی تھی کہ وہ اس کے محبوب کو کوئی نقصان پہنچائے۔

وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھی۔ خود کو اس کی گرفت سے چھڑا رہی تھی اور اس سے التجا کر رہی تھی کہ وہ اسے کوئی سستے خیال کی لڑکی نہ سمجھے مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ کچھ آرکسٹرا کا شور تھا۔ کچھ جذبات کا زور تھا۔ کچھ اس تنہا لڑکی کی جوانی کا سرور تھا۔ کچھ اپنی مردانگی کا غرور تھا۔ وہ رہ رہ کر ایک باز کی طرح جھپٹ رہا تھا اور لڑکی اس سے بچتی اور سنبھلتی جا رہی تھی۔

ایک بار وہ سنبھل کر پلنگ پر سے اٹھی۔ اس نے پھر پکڑ لیا۔ دونوں میں کشمکش ہونے لگی۔ وہ اپنی طرف اسے کھینچ رہا تھا یہ خود کو اس کی گرفت سے چھڑا رہی تھی۔ پلنگ لرز رہا تھا۔ موسیقی تھرا رہی تھی۔ تمام وائلن کی آواز سسپنس کے انداز میں کلائمکس کی طرف جا رہی تھی کہ نہ جانے اس کش مکش اور کھینچا تانی کا نتیجہ کیا ہو؟ کس کی جیت ہوگی؟ کس کی ہار ہوگی؟

لڑکی نے آخر پوری قوت صرف کرکے زور لگایا تو دونوں ایک جھٹکے سے الگ ہوگئے۔ وہ چاروں شانے پلنگ پر چت ہوگیا۔ لڑکی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتی ہوئی آکر نعمت خانے سے ٹکرا گئی۔ نعمت خانے میں جیسے زلزلہ آگیا۔ اندر کچھ برتن گرے اوپر گیند نما ریڈیو شور مچاتے ہوئے لڑھکنے لگا۔ اس کے اوپر کیلوں میں پھنسے ہوئے چمچے اور فورکس اس کے ہاتھ کے قریب گرنے لگے۔

اچانک ہی لڑکی کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ وہ کس طرح اپنے محبوب کو اس بلیک میلر کے کالے ارادوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ اس نے ایک فورک کو مضبوطی سے اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ پھر تیزی سے پلٹ کر دوڑتی ہوئی آئی۔ اس وقت تک وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ فورک کی چمکتی ہوئی چار نوکیں ٹھیک اس کے سینے کی طرف چلی

آرہی تھیں۔ وہ اتنی تیزی سے آرہی تھیں کہ طوطا سنبھل کر اِدھر اُدھر نہ ہوسکا۔ اس نے صرف ایک ہاتھ سے فورک کو ایک طرف جھٹک دینے کی کوشش کی۔ مگر وہاں بجلی کی سی تیزی تھی۔ اس کا ہاتھ لڑکی کے ہاتھ سے ضرور ٹکرایا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ فورک کا رخ بدل گیا۔ وہ سینے کی طرف آنے کی بجائے ذرا اوپر اٹھ کر حلق میں پیوست ہوگیا۔

"آنک............!" طوطے کے دیدے پھیل گئے۔

ایک ساعت کے لئے آرکسٹر چپ ہوگیا۔ موت کی سی بھیانک خاموشی چھاگئی۔ پھر یکبارگی تمام سازوں کی جھنجھناہٹ گونجی اور لڑکی کے ہاتھ سے فورک چھوٹ گیا۔ حلق میں پھنسا رہ گیا۔ وہ ایک دم ساکت ہوگئی تھی۔ ہکا بکا سی ہو کر سوچ رہی تھی کہ اس سے کیسی حرکت سرزد ہوگئی ہے۔

طوطے کے لرزتے ہوئے ہاتھ اپنے حلق پر آگئے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ سے فورک کو کھینچ کر نکالا تو خون کا فوارہ چھوٹ کر لڑکی کے سینے اور گردن پر آگیا۔ وہ لرزتی ہوئی پھر نعمت خانے سے آکر ٹک گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ لہو میں ڈوبتی جارہی ہو۔

وہ ایک ہاتھ سے خون آلود فورک کو پکڑے ہوئے تھا۔ دوسرا ہاتھ نرخرے پر رکھ کر بہتے ہوئے خون کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ ناک سے بولنے والا کٹے ہوئے نرخرے سے بولنے لگا۔

"خرر۔ رر۔ خرر۔ رر رر۔ خاں۔ خرر۔ رر..........." اس کے پھیلے ہوئے دیدے لڑکی پر مرکوز تھے۔ اس کے ہاتھ میں لرزتے ہوئے فورک کا رخ بھی لڑکی کی طرف تھا۔ بس یوں لگ رہا تھا کہ وہ اب تب میں اسی فورک سے اس پر جوابی حملہ کرے گا۔ "خرر۔ رر۔ رر رر۔ خاں۔ خرر۔ رر............"

وہ ناک سے سانس کھینچ رہا تھا۔ مگر وہ سانسیں کٹے ہوئے نرخرے سے خارج ہورہی تھیں اور وہاں سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے کسی کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے

شیشے پر چپکا ہوا کاغذ پھٹنے کے بعد ہوا کی زد میں پھڑپھڑا رہا ہو۔ "خرر۔ رر۔ رر............"

وہ تھرتھراتا ہوا اور موت کے نشے میں جھومتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کی نگاہیں اور فورک دونوں کا رخ لڑکی کی طرف تھا۔ وہ لرز رہی تھی۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہاں سے بھاگ سکے۔ پاؤں من من بھر کے ہوگئے تھے اور جیسے زمین سے چپک کر رہ گئے تھے۔ وہ صحیح سلامت تھی مگر حرکت نہیں کرسکتی تھی اور وہ جو زندگی سے ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اپنی آخری تمام قوتوں کو سمیٹ کر اس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔

وہ اپنے پاؤں کو گھسیٹتا ہوا ایک قدم آگے بڑھا۔ وہ سہم کر نعمت خانے سے چپک گئی۔ اس نے دوسرا قدم اٹھایا مگر چکرا کر گر پڑا۔ اس سے صرف دو ہاتھ کے فاصلے پر زمین بوس ہوگیا۔

چند لمحوں تک اس کی گردن یوں ہولے ہولے جھٹکے کھاتی رہی جیسے وہ بڑی اذیت سے سانس لینے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے دیدے پھیلا کر لڑکی کو دیکھا اور فورک والا ہاتھ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے رینگنے لگا۔ "خرر۔ رر۔ رر خاں۔ خرر۔ رر............"

اس بار لڑکی میں ذرا سی جرأت پیدا ہوئی۔ وہ بھاگتی ہوئی دروازے کے پاس آگئی۔ وہاں سے اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اب وہ دروازے کی طرف رینگ رہا تھا۔ وہ فورک کی جانب دیکھنے کی جرأت نہ کرسکی۔ اس کی گھورتی ہوئی نگاہوں کی تاب نہ لاسکی۔ فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر آئی۔ اسے باہر سے بولٹ کیا اور پلٹ کر بھاگتی ہوئی مکان سے باہر نکلتی چلی گئی۔

اتفاق سے اس مکان کی کسی عورت نے اسے بدحواسی سے بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا۔ باہر چاند نہیں نکلا تھا۔ رات اندھیری تھی۔ کوئی اس کے کپڑوں پر خون کے دھبوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا' اور اسے اتنا ہوش نہیں تھا کہ وہ خون کے دھبوں کے

متعلق سوچتی۔ وہ سوچ اور سمجھ سے خالی ہوگئی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے بھاگتے ہوئے قدم زمین پر پڑ رہے ہیں یا وہ خلاؤں میں ہاتھ پاؤں مارتی جارہی ہے۔ جیسے وہ لاشعور جو سہمی ہوئی چڑیا کو گھونسلے کی طرف اور گھبرائی ہوئی عورت کو پیار کی پناہ کی طرف ہانکتا ہے۔ اسی طرح اس کا لاشعور بھی اسے ہانکتا ہوا اس کے محبوب کے دروازے تک لے گیا۔ اس وقت وہ دروازہ کھول کر اندر جارہا تھا۔ لڑکی اسے دھکا دیتی ہوئی رگیدتی ہوئی کمرے میں آئی۔ پھر فوراً ہی پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کردیا۔

وہ حیرانی سے اور سوالیہ نظروں سے اسے تکنے لگا۔ وہ دروازے سے لگی ہانپ رہی تھی اور کانپ رہی تھی۔ بالکل وہی منظر تھا۔ کچھ عرصہ پہلے اجنبی اسی طرح لڑکی کو رگیدتے ہوئے اس کے کمرے میں آیا تھا۔ اس وقت وہ مجرم تھا۔ اب لڑکی مجرمہ تھی۔

"کیا ہوگیا؟" اس نے قریب آکر اس کے دونوں بازوؤں کو تھام لیا۔

وہ جواب کیا دیتی۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اجنبی اس کے سینے اور گردن پر خون کے دھبے دیکھ کر الجھ گیا۔ اس نے انگلی سے ایک دھبے کو چھو کر پوچھا۔

"یہ کیسا خون ہے؟ کس کا خون ہے؟ تم خوفزدہ کیوں ہو؟ تم رو کیوں رہی ہو۔ خاموش کیوں ہو بولو۔"

وہ جواب دینا چاہتی تھی۔ اسے سب کچھ بتانا چاہتی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کی بھی کوشش کی مگر اس کے حلق سے عجیب بے معنی سی آوازیں نکلتی رہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی گونگی کراہ رہی ہے۔ کسی بھاری پتھر کے تلے پسی جارہی ہے اس کی حالت ایسی قابلِ رحم تھی کہ اجنبی نے فوراً ہی اسے بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگالیا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"کیا یہ کسی جانور کا خون ہے؟"

وہ نفی میں سرہلانے لگی۔

"کیا انسان کا خون ہے؟"

وہ اثبات میں سرہلا کر پھر کراہنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں۔" وہ اسے تھپک تھپک کر تسلیاں دینے لگا۔ "مجھے بتاؤ یہ کس کا خون ہے۔ اس کے چھینٹے تمہارے بدن پر کیسے آگئے؟ کیا تمہارے سامنے کسی نے کسی کو قتل کیا ہے؟"

پہلے اس نے انکار میں سرہلایا۔ پھر اقرار میں سرہلانے لگی۔ اس کی آنکھوں سے ایسی دہشت نمایاں تھی جیسے کوئی ہرنی نیزوں اور بھالوں کی زد میں آگئی ہو۔

اجنبی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کسی کے قتل ہوجانے سے وہ اس قدر دہشت زدہ کیوں ہے؟ ایک ہلکا سا خیال پیدا ہوا کہ کہیں لڑکی نے تو قتل نہیں کیا ہے؟ لیکن اس نے فوراً ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا یہ احمقانہ سوچ تھی کہ وہ نازک سی لڑکی کسی کو قتل کرسکتی ہے۔ وہ تو ایسے سہمی ہوئی تھی اور اس سے چپکی ہوئی تھی جیسے خود کسی قاتل سے پیچھا چھڑا کر اس کی پناہ میں آگئی ہو۔

وہ صحیح صورتِ حال سے واقف نہیں تھا۔ اس لئے لڑکی کی سہمی ہوئی ادائیں بھی دل کو بھا رہی تھیں۔ اس نے صرف اسی حد تک سوچا کہ وہ خوفزدہ ہے اور جب تک خوفزدہ رہے گی اس کی آغوش میں ہی رہے گی اور یہ بڑی اچھی بات ہے۔

اس نے تھرتھراتے ہوئے نازک بدن کو دونوں بازوؤں میں اٹھالیا۔ اس کے بازوؤں میں بلند ہوتے ہی لڑکی نے اپنی لرزتی ہوئی بانہیں اس کی گردن میں حمائل کردیں اور اس سے چپک کر خود کو یقین دلانے لگی کہ وہ ایک محفوظ مقام تک پہنچ گئی ہے۔ اجنبی اسے اٹھائے ہوئے پلنگ کے پاس آیا اور بستر کے سرے پر بیٹھ گیا۔ لڑکی اس کی گود میں سمٹ کر کچھ بولنے کی کوشش کرنے لگی۔

"وہ.......... وہ.........." وہ پھر ننھی سی بچی کی طرح خوف سے لرزنے لگی۔

"ہاں ہاں کہو۔" اس نے تسلی دی۔ اسے تسلی دینے کے لئے اپنا چہرہ اس کے چہرے پر رکھ دیا۔ اپنا ایک گال اس کے ملائم رخسار پر رگڑنے لگا۔ "گھبراؤ نہیں' میں تمہارے ساتھ ہوں کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے گا تو میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا۔ کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔"

وہ اثبات میں سرہلا کر کہنے لگی۔ "تم.......... تم ہی مجھے بچاسکتے ہو۔ مجھے یہاں سے کہیں دور لے چلو۔ نہیں تو مجھے پھانسی ہو جائے گی۔ میں نے اسے مار ڈالا ہے۔"

"کسے مار ڈالا ہے؟"

"وہ.......... وہ میری عزت سے کھیلنا چاہتا تھا۔ میں انکار کرتی تو وہ تمہیں پولیس کے حوالے کردیتا۔ وہ.......... وہ آدمی مرگیا ہے جس سے تم نے لوکل ٹرین میں جھگڑا کیا تھا۔ پولیس تمہیں تلاش کررہی ہے۔"

"کیسی باتیں کررہی ہو۔ کس بیوقوف نے تم سے یہ کہہ دیا کہ وہ مرگیا ہے۔ آج صبح میں نے اسے بولٹن مارکیٹ میں دیکھا ہے۔ پولیس کا ایک آدمی اسے جیب تراشنے کے الزام میں پکڑ کرلے جارہا تھا۔"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے تمام واقعات بتائے کہ کس طرح طوطا اسے بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ اجنبی نے کہا۔

"یہ بلیک میلنگ نہیں' وقتی نوسربازی تھی۔ ایک متوقع پتے کو چھپا کر فریب دینا نوسربازی ہے۔ وہ طوطا بھی اس آدمی کو کسی خیالی ہسپتال میں لے جاکر چھپا رہا تھا اور مجھے اس لئے قاتل بنا رہا تھا کہ تم فریب میں آکر اپنا سب کچھ مجھے بچانے کے لئے قربان کردو گی۔ تم یقین کرو۔ وہ بار بار تم سے تمہیں وصول کرنے نہیں آتا۔ ایک ہی بار ایک ہی جھٹکے میں جو کچھ وصول ہوتا وہ لے کر چلا جاتا۔ بہرحال جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ غسل خانے میں جاکر یہ خون کے دھبے صاف کرو۔"

"نہیں.......... میں کہیں نہیں جاؤں گی' مجھے ڈر لگتا ہے۔" وہ ایک دم سے چپک کر لرزنے لگی۔ "وہ اب بھی مجھے نظر آرہا ہے۔ اس کے حلق سے خون ٹپک رہا

ہے' مجھے خرخر کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے گھور رہا ہے۔ وہ دیکھو' وہ ہاتھ میں فورک لئے میری طرف بڑھتا آرہا ہے' مجھے بچاؤ.......... مجھے بچاؤ.........."

"تم کہتی ہو کہ تمہیں گھر سے نکلتے وقت کسی نے نہیں دیکھا۔ کسی نے تمہارا پیچھا بھی نہیں کیا۔ اگر پیچھا کرتا تو یہاں تک پہنچ جاتا۔ لہٰذا تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تمہیں کوئی پکڑنے نہیں آئے گا۔ تم بالکل محفوظ ہو.........."

وہ بے چارا بہت دیر سے اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ کوئی اسے پکڑنے نہیں آئے گا مگر وہ طوطا دیدے پھیلائے اور ہاتھ میں فورک لئے اس کے سامنے چلا آرہا تھا۔ اجنبی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اس ظالم تصور سے اس کا پیچھا چھڑائے۔ وہ اسے چومتے ہوئے گردن تک پہنچا تو وہاں خون کے دھبے نظر آئے۔ لڑکی اس کی آغوش سے نکل کر غسل خانے تک جانے کے لئے تیار نہیں تھی۔

"تمہارے بدن پر جب تک یہ خون کے دھبے ہوں گے' وہ اسی طرح تمہاری آنکھوں کے سامنے نظر آتا رہے گا۔ تم باتھ روم میں جاؤ اور غسل کرلو۔ تمہاری تمام پریشانیاں دھل جائیں گی۔"

"نہیں' میں اکیلی نہیں جاؤں گی' مجھے ڈر لگتا ہے' وہ آجائے گا۔"

"اچھا چلو' میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" اس نے پھر اسے بازوؤں میں اٹھالیا۔ اس کے لئے وہ پھول سے زیادہ ہلکی تھی۔ اس کے باوجود اسے اٹھا کر چلتے وقت اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ دل کی دھڑکنیں پاگل ہورہی تھیں۔ وہ عجیب تذبذب میں تھا۔ وہ خوفزدہ تھی' یہ خواب زدہ تھا۔ وہ اسے چوم سکتا تھا۔ مگر اپنے بوسوں کی لذت سے آشنا نہیں کرسکتا تھا کیونکہ وہ اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اپنے دل و دماغ سے باہر طوطے کے لہو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ مرچکی تھی اور زندہ لاش کی طرح سانسیں لے رہی تھی۔

اس نے باتھ روم میں آکر اسے شاور کے نیچے کھڑا کردیا۔ پھر بھی وہ الگ نہ

ہوئی بلکہ اس سے چپکی کھڑی رہی۔ اجنبی نے شاور کھول دیا۔ بارش ہونے لگی۔ برسات کی رم جھم میں دونوں بھیگنے لگے۔ وہ اس کی گردن پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ خون کے دھبے صاف کررہا تھا۔ وہ دھبے گریبان پر بھی تھے۔ وہ دھبے کچھ اور آگے سینے کی سانس لیتی بلندیوں پر بھی تھے۔ اس کا ہاتھ پستی سے بلندیوں تک پہنچا تو لڑکی میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے۔ وہ ذرا سا کسمسائی اجنبی اس سے الگ ہوگیا۔ تنہائی کا احساس ہوتے ہی وہ جلدی سے قریب آکر پھر لپٹ گئی۔ اجنبی کا حوصلہ بڑھ گیا۔ وہ منتر ہاتھ آگیا جس سے وہ لڑکی کے جسم میں زندگی کی حرارت پیدا کرسکتا تھا۔

حرارت پیدا ہونے لگی۔ وہ صرف پناہ نہیں چاہتی تھی' پیار بھی چاہتی تھی۔ ایسا پیار جو اس کی سوچ سے تمام خوف و ہراس کو مٹادے اور اسے آندھی طوفان کی طرح بہا کرلے جائے............ اور وہ بہہ رہی تھی۔ ایک تنکے کی طرح اڑی جارہی تھی۔ خون کے دھبے دھل گئے تھے' پیار کے نشانات ثبت ہورہے تھے لیکن پھر بھی............ پھر بھی کہیں سے وہ دو گھورتی ہوئی آنکھیں تصور میں چلی آتی تھیں۔ وہ فورک جگمگاتا' جھلملاتا ہوا اس کی طرف بڑھتا تھا اور وہ سہم کر پھر محبت اور خوف کے درمیان الجھ جاتی تھی۔

عجب حال تھا' کچھ ہوش تھا' کچھ مدہوش تھی۔ بارش کی ناچتی تھرکتی پھوار میں آس پاس کا ماحول دھندلا گیا تھا۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ کس جہان میں ہے۔ وہ کسی کے بازوؤں میں بلند ہوگئی تھی یا خلا میں تیرتی ہوئی کہیں جارہی تھی۔ پھر اسے اپنے وجود تلے نرم بچھونے کا احساس ہوا............ اس کے تصور میں وہی بچھونا آگیا جس پر طوطے نے اسے گرایا تھا۔ اچانک ہی اس کی سماعت میں آرکسٹرا گونجنے لگا۔ اگرچہ وہ گھورنے والی آنکھیں نہیں تھیں۔ مگر وہ درندہ تھا۔ اسے بھنبھوڑ رہا تھا اور کاٹ رہا تھا۔ وہ مہربان تھا' اسے پیار بھی کررہا تھا۔ تب اسے قاتل اور مقتول کا تماشہ نظر آیا۔ وہ کسی کو قتل کرکے آئی تھی اور اب کوئی اسے قتل کررہا تھا............ ہاں اس کے دل و دماغ سے دہشت دور کرنے کا یہ بھی ایک نفسیاتی طریقہ تھا کہ اسے قتل

کردیا جائے جو سلوک وہ مقتول سے کرچکی تھی' وہی سلوک اس سے کیا جائے۔ اجنبی کوئی ماہر نفسیات نہیں تھا' کوئی ڈاکٹر نہیں تھا لیکن کبھی کبھی کسی اناڑی کی اضطراری حرکتیں درد کا درماں بن جاتی ہیں۔ اس عالم میں وہ طوطے کو بھول گئی۔ جب اپنی جان پر بنی ہو تو کوئی یاد نہیں آتا۔ وہ مہربان' وہ ظالم فورک لئے اسے ہلاک کرنے آرہا تھا۔ اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ نہیں' نہیں۔ وہ سر ادھر سے اُدھر پٹخنے لگی۔ نہیں نہیں۔ نہیں' نہیں۔ پھر یکبارگی اس نے چیخ ماری۔ اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور وہ بے ہوش ہوگئی۔

کچھ دیر کے لئے وہ مرگئی۔ پھر رفتہ رفتہ اس میں زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ اسے اپنے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے محسوس ہوئے اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا اجنبی پانی کا گلاس فرش پر رکھ رہا تھا۔ پھر وہ اس پر جھک گیا اور بڑے پیار سے اس کے سر کو سہلانے لگا۔

دونوں خاموش تھے کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لڑکی کی پلکیں حیا کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔ جب اجنبی نے اسے ہولے سے پکارا تو اس نے فوراً ہی منہ پھیرلیا لیکن اپنی بانہیں اس کی گردن میں حمائل کردیں۔

وہ اتنی تھک چکی تھی کہ صبح دیر تک سوتی رہی۔ اس کے گیلے کپڑے فرش پر پڑے ہوئے تھے اور وہ ایک چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اجنبی نے اس کے کپڑے غسل خانے میں لے جاکر دھوئے اور انہیں نچوڑ کر سوکھنے کے لئے کمرے میں پھیلا دیا۔ پھر اس نے کمرے سے نکل کر دروازے کو باہر سے بند کیا اور لڑکی کے مکان کی طرف روانہ ہوگیا۔

اسے اس بات کا خدشہ نہیں تھا کہ کوئی اسے دیکھ کر پہچان لے گا اور لڑکی تک پہنچ جائے گا کیونکہ مکان کی مالکہ اور دوسرے کرایہ داروں نے کبھی اسے لڑکی کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ مکان کے سامنے پہنچا تو واقعی کسی نے اسے نہیں پہچانا۔ دروازے کے قریب ایک پولیس وین کھڑی ہوئی تھی۔ محلے کے بہت سے لوگ وہاں

جمع ہو گئے تھے اور وہ دو چار چار کی ٹولیوں میں بٹے ہوئے قتل کی واردات پر بحث کر رہے تھے۔ وہ بار بار ہر ٹولی کے قریب جا کر ان کی باتیں سنتا رہا۔ وہاں اکثر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مقتول اس لڑکی کا یار تھا۔ پچھلی رات منہ کالا کرنے آیا تھا کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور لڑکی اسے قتل کر کے فرار ہو گئی۔ صبح دودھ والا معمول کے مطابق دودھ دینے آیا تو دروازے کی کنڈی باہر سے لگی ہوئی تھی۔ مکان کی مالکہ نے کہا کہ شاید لڑکی ذرا دیر کے لئے باہر گئی ہے۔ میں اس کے کمرے سے دودھ کا برتن لے آتی ہوں۔ اس نے برتن لانے کے لئے دروازہ کھولا تو اچانک ہی چیخیں مارتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ کمرے کے اندر دروازے کے قریب ہی اس شخص کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ پھر پولیس والوں کو بلایا گیا۔ مکان کی مالکہ نے لڑکی کا حلیہ لکھوا دیا ہے اور اس کارخانے کا پتہ بھی بتا دیا ہے جہاں وہ کام کرتی ہے۔

اتنی معلومات حاصل ہو جانے کے بعد اجنبی وہاں سے واپس آ گیا۔ ایک دکان سے اس نے ناشتے کے لئے ڈبل روٹی، مکھن اور انڈے خریدے۔ گھر پہنچا تو لڑکی نیند سے بیدار ہو گئی تھی اور چادر میں لپٹی ہوئی بیٹھی تھی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟ مجھے ڈر لگ رہا تھا۔"

اس نے چولہا سلگاتے ہوئے کہا۔ "تمہارے مکان کی طرف گیا تھا مکان کی مالکہ نے پولیس والوں کو تمہارا حلیہ اور اشاٹکو کا پتہ بتا دیا ہے۔"

"اب کیا ہو گا؟" اس پر پھر گھبراہٹ طاری ہونے لگی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا۔ گھبراؤ نہیں.......... میں تمہیں یہاں سے بہت دور لے جاؤں گا۔ ہم اتنی دور جا کر اپنا گھر بسائیں گے کہ پولیس والے وہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے تم گھر کی چار دیواری میں رہا کرو گی کبھی باہر نکلنے کی ضرورت ہوئی تو برقعہ پہن لیا کرو گی۔ ہم آج ہی رات کو یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"ہم کیسے جائیں گے۔ پولیس والے مجھے تلاش کر رہے ہوں گے مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈرو مت۔ جب تک میں زندہ ہوں، تم پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دوں گا، چلو اب اٹھ کر منہ ہاتھ دھولو۔ آملیٹ تیار ہو گیا ہے، ہم ناشتہ کریں گے۔ ایک بار میں تمہارے ہاں پناہ لینے آیا تھا تو تم نے مہمان نوازی کی تھی۔ آج میں میزبانی کے فرائض ادا کر رہا ہوں۔ تقدیر کے تماشے بھی عجیب ہیں۔ میرے فولادی ہاتھوں سے کوئی نہیں مرا، تمہارے نازک ہاتھوں سے ایک شیطان جہنم رسید ہو گیا۔ بھئی کمال ہے۔ ہماری دنیا میں شرم رکھنے والی عورت کو قاتل کہا جاتا ہے اور بے شرم عورت کو اپنے جسم کی نمائش کرنے پر مس یونیورس کا خطاب دیا جاتا ہے۔ یہ سالی جو دنیا ہے ناں! یہ ساری کی ساری نوسرباز ہے۔ تاش کے پتوں کی طرح لباس کو الٹ پلٹ کرتی ہے اور ملکۂ حسن بنا دیتی ہے۔"

"میرا لباس گیلا ہے، میں یہ چادر لپیٹ کر کیسے اٹھوں؟ تم ناشتہ کر کے جاؤ۔ میں بعد میں اٹھ کر ہاتھ دھولوں گی۔"

اجنبی قریب آ کر بیٹھ گیا۔ وہ چادر میں سمٹ کر پیچھے کھسکنے لگی۔ اس نے ساری کی ساری چادر کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر پوچھا۔ "مجھ سے کیوں شرماتی ہو؟ کیا اب بھی ہمارے درمیان چادر کی دیوار ہو گی؟"

اس کے رخساروں پر حیا کی لالی چھلک گئی۔ وہ چٹان جیسے پھیلے ہوئے سینے پر سر رکھ کر بولی۔ "ایسی باتیں وقت پر اچھی لگتی ہیں۔ اگر بے وقت ہوں تو اسے بے شرمی کہتے ہیں۔ میری بات سن لو۔ تم ناشتہ کر کے جاؤ پھر میں یہاں سے اٹھوں گی۔"

"اچھا ایسا کرو، میرا کرتہ پاجامہ پہن لو۔ وہ لباس تمہارے لئے بے ڈھنگا ہو گا مگر بے لباسی نہیں رہے گی۔"

وہ راضی ہوئی۔ اجنبی نے وہاں سے اٹھ کر اپنی اٹیچی سے ایک کرتہ پاجامہ نکالا اور اسے دیتے ہوئے کہا۔

"میں پانچ منٹ کے لئے باہر جاتا ہوں تم اسے پہن لو۔"

"پانچ منٹ نہیں، صرف پانچ سیکنڈ کے لئے اور واپس آ جاؤ۔"

"اچھا.........!" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا اتنی جلدی لباس پہن لو گی؟"

"ہاں.........اب جاؤ۔"

وہ اس کی طرف سے گھوم کر کمرے سے باہر آیا۔ دروازے کو بند کر کے گنتی پڑھنے لگا۔ ایک' دو' تین' چار' پانچ......... پھر دروازہ کھول کر واپس آگیا۔ وہ کمرے میں نہیں تھی۔ اس نے غسل خانے میں جاکر دروازے کو اندر سے بند کر لیا تھا۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈال کر دیکھا پھر مسکرا کر چائے تیار کرنے کے لئے چولہے کے پاس آگیا۔

آدھ گھنٹے بعد وہ غسل سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی۔ اجنبی کے لمبے چوڑے' ڈھیلے ڈھالے لباس میں وہ چھپ سی گئی تھی۔ اجنبی نے اسے بازوؤں میں چھپا کر چوم لیا۔ پھر وہ ناشتہ کرنے بیٹھ گئے۔ ناشتے کے دوران وہ وہاں سے فرار ہونے کی تدبیریں سوچتے رہے اور ایک دوسرے کے سامنے اپنے ذہن سے نکلی ہوئی تدبیریں پیش کرتے رہے۔ مگر کوئی ایسی بات نہیں بن رہی تھی۔ کسی ریلوے اسٹیشن سے ٹرین میں سوار نہیں ہو سکتے تھے۔ لانگ روٹ کی کسی بس میں بھی نہیں جا سکتے تھے۔ ہر جگہ اندیشہ تھا کہ پولیس والوں سے سامنا ہوگا۔ اجنبی اسے ٹیکسی میں بٹھا کر لے جاتا۔ تب بھی شہر کے باہر کسی پولیس چوکی میں اس سے پوچھا جاتا کہ وہ ایک لڑکی کو کہاں لے جا رہا ہے۔

آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ایک شاندار پرائیوٹ کار ہونی چاہئے۔ اگر وہ کار میں لڑکی کے ساتھ جائے گا تو کوئی اسے ڈرائیور نہیں سمجھے گا۔ وہ دونوں میاں بیوی سمجھے جائیں گے۔ ایک بڑی سی قیمتی کار میں بڑے بڑے مجرم گزر جاتے ہیں اور راستہ روکنے والے اسے شریف دولت مند سمجھ کر' ذرا مسکرا کر اور ہاتھ اٹھا کر سلام کرتے ہوئے انہیں گزر جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔

"مگر یہ تو فضول سی تدبیر ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "کار ہمیں کہاں سے ملے گی؟"

"کہیں سے حاصل کرنی ہوگی۔ مانگنے سے کوئی نہیں دے گا چھیننا پڑے گا یا چرانا

پڑے گا۔ خواہ کچھ ہو' آج اندھیرا ہوتے ہی ہم اس شہر سے بہت دور چلے جائیں گے۔ اب میں جاتا ہوں۔ باہر سے تالا لگا کر جاؤں گا تم گھبرانا نہیں۔ مجھے دیر ہو سکتی ہے مگر اندھیرا ہونے سے پہلے ہی آ جاؤں گا۔"

وہ اسے تسلیاں دے کر وہاں سے چلا گیا۔ لڑکی جھوٹے برتن صاف کرنے لگی۔ اس کے بعد اس نے کمرے کی صفائی کی۔ مقصد یہ تھا کہ کسی طرح وقت گزر جائے۔ مگر وقت نہیں گزر رہا تھا۔ وہ چولہا سلگا کر ہلکی ہلکی آنچ پر اپنے گیلے کپڑے سکھانے لگی۔ اسی طرح بہت سا وقت گزر گیا۔ مگر ہاتھ دکھنے لگے۔ وہ تھک ہار کر بستر پر آکر لیٹ گئی۔ تنہائی میں اور خاموشی میں کئی بار وہ طوطا یاد آیا۔ مگر اب وہ پہلے جیسا خوف نہیں تھا۔ شاید اس لئے کہ اب اس کے اندر اجنبی سا گیا تھا اور اس کے اندر ایک ناقابلِ شکست اعتماد اور قوت بن گیا تھا۔ فی الحال صرف اتنی سی پریشانی تھی کہ اس کا محبوب اسے کس طرح قانون کی نظروں سے بچا کر لے جائے گا۔

شام کو اندھیرا ہوتے ہی وہ آگیا۔ اس کے ہاتھوں میں ڈھیر سارا سامان تھا۔ کھانے کی کچھ چیزیں تھیں۔ ایک کاغذ کے تھیلے میں لڑکی کے لئے برقعہ تھا۔ ایک وینٹی بیگ اور سینڈل کا ایک جوڑا تھا۔ لڑکی نے سینڈل پہن کر کہا۔

"یہ تو بالکل ٹھیک ہے۔ تمہیں میرے پاؤں کا ناپ کیسے یاد رہا؟"

اجنبی نے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے شرارت سے کہا۔ "سر سے پاؤں تک تمہیں ناپ چکا ہوں۔ تم کوئی بھلائی جانے والی چیز نہیں ہو۔"

وہ اس کی گرفت سے خود کو چھڑاتی ہوئی بولی۔ "تم پھر بہکنے لگے' کام کی بات کرو۔"

"کام کی بات یہ ہے کہ میں اپنے لئے یہ سوٹ خرید کر لے آیا ہوں' اس نے کاغذ کے تھیلے سے ایک گرم سوٹ نکال کر دکھایا۔ لڑکی نے کہا۔

"یہ تو شاید پرانا ہے' کیا جونا مارکیٹ سے لائے ہو؟"

"ہاں' کسی قیمتی کار میں یہ سوٹ پہن کر بیٹھو تو کوئی شبہ نہیں کرتا کہ یہ جونا

مارکیٹ سے خریدا گیا ہے۔ اسے پہن کر میں ٹیکسی ڈرائیور نہیں بلکہ کار کا مالک سمجھا جاؤں گا۔"

"لیکن کار کہاں ہے؟"

"یہاں سے دو سینما ہاؤز قریب ہیں۔ ایک کیپری اور دوسرا پرنس۔ وہاں بے شمار کاریں نظر آتی ہیں۔ کہیں نہ کہیں میرا داؤ لگ جائے گا۔ ہم ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے یہاں سے نکل کر سینما کی طرف جائیں گے۔ چلو اب جلدی سے روٹی کھالو۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔" وہ اس کا بازو تھام کر بولی۔ "مجھ پر تو قتل کا الزام ہے، کہیں تم بھی کار چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے تو میرا کیا بنے گا؟"

"میں تمہیں ہزار بار سمجھا چکا ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے تم پر ذرا بھی آنچ نہیں آئے گی۔ تم گھبراؤ نہیں، میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤں گا۔ کوئی ایسی حماقت نہیں کروں گا جس سے تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ بس تم تھوڑی دیر کے لئے تمام فکر اور پریشانیاں دماغ سے نکال دو اور جو کچھ میں کہتا جاؤں، اس پر عمل کرتی جاؤ۔"

وہ دونوں روٹی کھانے بیٹھ گئے کھانے کے دوران بھی وہ اسے مثالیں دے کر سمجھاتا رہا کہ کس طرح گھبرانے سے کام بگڑ جاتا ہے۔ جتنی دلیری اور بے جگری سے وہ فرار ہونے کی کوشش کریں گے، اتنی ہی زیادہ کامیابی نصیب ہوگی۔ خوفزدہ ہونے اور بزدلی دکھانے سے خواہ مخواہ لوگ شبہ کریں گے۔"

کھانے کے بعد لڑکی نے غسل خانے میں جاکر اپنا لباس پہن لیا۔ اتنی دیر میں اجنبی سوٹ پہن کر تیار ہو گیا تھا۔

لڑکی نے برقعہ پہنتے ہوئے کہا۔ "گھر کا یہ سارا سامان اسی طرح چھوڑ جاؤ گے؟"

"ہاں مجبوری ہے۔ ہم پکنک منانے نہیں جارہے ہیں۔ ایک اہم قدم اٹھانے جارہے ہیں۔ ایک ذرا سی غلطی ہم دونوں کو جیل خانے تک پہنچا دے گی اور ایک ذرا سی عقلمندی ایک نیا گھر، ایک نئی دنیا بسانے کی راہیں کھول دے گی۔ آؤ اور پورے حوصلے کے ساتھ یہاں سے قدم نکالو۔"

وہ دونوں باہر آگئے۔ اجنبی نے دروازے پر تالا لگادیا۔ پھر وہ دونوں سینما کی طرف جانے لگے۔

پرنس سینما میں کافی بھیڑ تھی۔ جب وہ دونوں وہاں پہنچے تو شو ختم ہو چکا تھا۔ کتنی ہی کاریں نکل چکی تھیں۔ باقی ایک ایک کرکے پارکنگ ایریا سے نکل رہی تھیں۔ اجنبی نے مایوس ہو کر کہا۔

"ہم دیر سے پہنچے ہیں۔ یہاں اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ شاید کیپری سینما کا شو ابھی ختم نہیں ہوا۔ وہاں موقع مل سکتا ہے۔ آؤ، ذرا جلدی قدم بڑھاؤ۔"

وہ اجنبی کا ہاتھ تھام کر تیزی سے چلنے لگی۔ تھوڑی دور جاکر وہ اچانک ہی رک گیا۔ کیونکہ قریب ہی ایک کار آکر رک گئی تھی۔ کار چلانے والا، دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ وہ نشے میں چُور تھا، اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ شاید وہ پان یا سگریٹ خریدنے کے لئے دکان کی طرف جارہا تھا۔ کار روکتے روکتے وہ دکان سے دور چلا آیا تھا۔ اجنبی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کار کے کھلے ہوئے دروازے کو دیکھا۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ وہ نشے کے عالم میں لاپرواہی سے کار کو یونہی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں انہیں کہہ گیا تھا کہ کار لے جاؤ، کھلی چھٹی ہے۔

وہ لڑکی کو بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا کھلے دروازے کے پاس آیا اور اسے جلدی سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ لڑکی بیٹھنے لگی۔ اجنبی نے پلٹ کر دیکھا۔ کار والا دکان تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کیا، کار اسٹارٹ کی اور گیئر بدلتا ہوا بتدریج کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

لڑکی نے پلٹ کر دیکھا مگر دکان نظر نہیں آئی۔ وہ کار والا نظر نہیں آیا۔ اجنبی گول چکر کاٹتا ہوا مزار قائدؒ کے سامنے سے گزر رہا تھا کار کی رفتار بڑھتی جارہی تھی۔ راستے بدلتے جارہے تھے۔ لڑکی کے چہرے کا رنگ بھی بدلتا جارہا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ قانون سے بچ کر پھانسی کے تختے سے دور جارہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کا یقین ڈگمگا گیا۔ ڈرگ روڈ سے گزرتے وقت انہیں اپنے پیچھے پولیس کار کا سائرن

سنائی دینے لگا۔ وہ گھبرا کر اپنے محبوب کے بازو سے چپک گئی۔

"پولیس آرہی ہے۔ اب کیا ہوگا؟"

"جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔ تم ذرا الگ بیٹھو ورنہ اسٹیئرنگ بہک جائے گا۔"

وہ الگ ہو کر بیٹھ گئی۔ کار کی رفتار اور بڑھنے لگی۔ سائرن کی آواز دور ہونے لگی۔ پھر کالونی گیٹ کے سرخ سگنل کے باعث اسے رکنا پڑا۔ سگنل کے پاس پولیس سارجنٹ موٹر سائیکل لئے کھڑا تھا اگر وہ نہ ہوتا تو اجنبی سگنل کی پرواہ کئے بغیر وہاں سے گزر جاتا۔ مگر اب مجبوری تھی۔ سائرن کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ لڑکی بار بار پلٹ کر کبھی سگنل کو دیکھ رہی تھی۔ کبھی پیچھے سے آنے والی آواز کی طرف نظریں دوڑا رہی تھی۔ جب پولیس کی کار بالکل ہی قریب کالا چھپرا تک پہنچ گئی تو سگنل سبز ہوگیا۔ اجنبی نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھاتے ہوئے رفتار تیز کردی۔ دونوں گاڑیوں کے درمیان تقریباً پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اجنبی مزید رفتار بڑھانا چاہتا تھا مگر ایک کار اس کے آگے بہت دیر سے حائل تھی کبھی وہ اجنبی کی کار کے برابر آجاتی تھی کبھی آگے نکل جاتی تھی آگے جاکر وہ ملیر کے راستے پر مڑگئی۔ اجنبی رفتار بڑھاکر سیدھے راستے پر بڑھتا رہا۔ مگر اب رفتار بڑھانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ پولیس کار بھی ملیر کے راستے پر مڑگئی تھی۔

مارے خوشی کے لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ پھر اس کا بازو تھام کر بولی:

"پولیس والے ہمارا پیچھا نہیں کررہے تھے۔"

اجنبی نے جواب نہیں دیا۔ اسے بھی اپنی حماقت کا احساس ہوگیا تھا۔ لڑکی اس کے شانے پر سر رکھ کر کہنے لگی۔

"تم بہت اچھے ہو۔ تم نہ ہوتے تو نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔ اب ہم یہاں سے دور بہت دور پہاڑی علاقے میں جائیں گے۔ کسی سرسبز وادی میں ایک جھونپڑی بنا کر رہیں گے۔ تم قریب کسی بستی میں محنت مزدوری کرنے جاؤ گے۔ میں تمہارے لئے کھانا پکاؤں گی تمہارے لئے بستر بچھاؤں گی۔ پھر اندھیرا ہوتے ہی دروازے پر آکر

تمہارا انتظار کرنے کھڑی ہوجاؤں گی.........."

ایک کہہ رہی تھی۔ دوسرا سن رہا تھا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے ونڈ اسکرین پر آنے والے اچھے دنوں کی تصویریں ابھر رہی تھیں۔ وہ اتنے اچھے دن تھے کہ نہ دن کو بے چینی تھی نہ رات کو بے خوابی۔ وہاں جھوٹ' فریب اور مکاری نہیں تھی۔ وہاں قانون کسی لڑکی کو عزت بچانے کے جرم میں پھانسی کے تختے تک نہیں لے جاتا تھا وہ جرائم سے پاک ایسی خوبصورت دنیا تھی جس کا خواب ہر محبت کرنے والی آنکھ دیکھتی تھی۔

خواب کبھی بیچ ہی میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ کبھی ناکامی سے دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ اچانک ہی ٹائر برسٹ ہوگیا۔ ایک دھماکا سا ہوا گاڑی اِدھر سے اُدھر ہوئی اور اُدھر جاکر ایک درخت سے ٹکرا گئی ونڈ اسکرین کا شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹ کر بکھر گیا۔ لڑکی کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ پھر وہ یکلخت خاموش ہوگئی۔ چند لمحوں تک اجنبی کی سمجھ میں بھی نہیں آیا کہ وہ کیسے حادثے سے دوچار ہوگئے ہیں پھر حادثہ کو سمجھتے ہی سب سے پہلے لڑکی کی فکر ہوئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے ٹٹولا اور اسے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے آوازیں دیں۔ مگر وہ ایک خواب کی طرح ٹوٹی ہوئی تھی اور ایک لاش کی طرح خاموش تھی۔

اجنبی کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ اسے اپنا ہوش نہ رہا کہ اسے کتنی چوٹیں آئی ہیں۔ اس نے دروازہ کھول کر لڑکی کو آہستہ آہستہ کھینچتے ہوئے باہر نکالا۔ اسے گود میں لے کر وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے اس نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ دل بہت آہستہ آہستہ دھڑک رہا تھا۔ پھر اس کے چہرے کو چھو کر دیکھا چہرہ لہو میں ڈوبا ہوا تھا۔ رخسار' پیشانی' ناک' منہ اور گردن' جہاں جہاں اس کا ہاتھ گیا۔ خون ہی خون محسوس ہوا۔ محسوس اس لئے ہوا کہ وہ اندھیرے میں واضح طور سے نہیں دیکھ سکتا تھا مگر دل کی گہرائیوں سے اس کرب واذیت کو سمجھ رہا تھا جس سے وہ گزر رہی تھی۔

"میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔" اس نے

دونوں بازوؤں میں اپنی جان حیات کو چھپا لیا۔ اسے سینے سے یوں لگالیا جیسے خیال ہی خیال میں اسے موت کے پنجے سے چھین رہا ہو۔ پھر، دیوانے کی طرح اس راستے پر بھاگنے لگا جہاں سے ابھی آیا تھا۔

بہت دور تک بھاگتے رہنے کے باوجود اس ویران راستے میں اتنی رات کوئی گاڑی آتی جاتی دکھائی نہیں دی۔ وہ راستہ چھوڑ کر ریلوے لائن کی طرف دوڑنے لگا۔ اس وقت اس کی صرف ایک ہی تمنا تھی، صرف ایک ہی دعا تھی کہ کہیں ایک ڈاکٹر دواؤں کے بیگ کے ساتھ مل جائے اور اس کے پیار کی پہلی اور آخری پونجی کو بچالے۔

ریلوے لائن پر سے گزرتے وقت اس کی ہلکی سی کراہ سنائی دی وہ جلدی سے پٹڑیوں کے درمیان دو زانو ہوگیا اور لہو میں ڈوبے ہوئے چہرے کو چومتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔

"بولو میری جان، بولو۔ مجھے تسلی دو کہ تم زندہ ہو۔ تم زندہ رہو گی، ضرور زندہ رہو گی۔ نہیں تو میں بھی مرجاؤں گا۔"

لڑکی نے آہ بھرنے کے انداز میں ہولے سے سانس چھوڑی۔ پھر اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ وہ بے اختیار اس سے لپٹ کر رونے لگا۔ اس کی حیات کا سارا سرمایہ لٹ گیا تھا۔ وہ آنسو کیسے ضبط کرسکتا تھا۔ ایسے وقت اگر پتھر بھی روسکتے ہیں تو وہ بھی رو رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اس سے لپٹ کر روتے روتے وہ چپ ہوگیا۔ اس کا سر لڑکی کے سینے پر تھا اور اس سینے میں دل ابھی تک دھڑک رہا تھا، وہ بجلی کی طرح تیزی سے اسے بازوؤں میں لے کر اٹھا اور پٹڑیوں کے درمیان دوڑنے لگا۔

دور اس کے پیچھے ایک ریلوے ٹرالی کھٹ کھٹا کھٹ کی آواز پیدا کرتی آرہی تھی۔ اجنبی پلٹ کر ٹرالی کی طرف بھاگتے ہوئے چیخنے لگا۔

"ٹرالی روک دو۔ ایک معصوم زندگی کا سوال ہے۔ تمہیں خدا رسول کا واسطہ ہے، ٹرالی روک دو۔"

ٹرالی قریب آکر رک گئی۔ وہ التجا کرنے لگا۔ "مجھے صرف لانڈھی تک پہنچادو۔ وہاں قریب ہی کورنگی میں اس لڑکی کے ایک انکل ڈاکٹر ہیں، اسے فوراً طبی امداد مل جائے گی۔"

ٹرالی میں ایک انجینئر اور دو مزدور بیٹھے ہوئے تھے اس نے اجنبی کو بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ وہ لڑکی کو اپنے سینے سے لگا کر بیٹھ گیا۔ ٹرالی پھر پٹڑیوں پر بھاگنے لگی۔

☆------☆------☆

وہ آئینے کے سامنے بیٹھی ہوئی ہے اور آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر اپنی زندگی کا حساب کر رہی ہے۔

حساب یہ ہے کہ وہ تاش کا ایک پتہ ہے۔ تاش کا دوسرا پتہ اجنبی ہے اور تیسرا پتہ ان کی ازدواجی مسرت ہے۔ یہ تینوں پتے ایک جگہ رہتے ہیں۔ مگر یہ دنیا بہت بڑی نوسرباز ہے۔ اپنے مطلب اور اپنی غرض کے لئے ان تینوں میں سے کسی نہ کسی پتے کا کونہ موڑ دیتی ہے۔

اب وہ اسی شہر میں واپس آگئی ہے اور اجنبی کے اسی مکان میں رہتی ہے۔ اب کبھی قانون کے محافظ اسے دیکھتے ہیں تو صرف دیکھتے ہیں، پرکھتے نہیں ہیں، چپ چاپ اس کے سامنے سے گزر جاتے ہیں ایسے میں لڑکی کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ وہ سوچتی ہے، کاش کہ وہ اسے پکڑ کرلے جاتے اور اسے پھانسی کے تختے پر چڑھادیتے اور اسے ہمیشہ کے لئے ختم کردیتے۔

اسٹاکلو کا وہ مالک جو اسے اکثر بیٹی کہا کرتا تھا اس سے بھی دوبار سامنا ہوچکا ہے۔ وہ بھی اسے پرائی نظروں سے دیکھ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ نہ اس نے باپ اور مالک بن کر اسے پکارا اور نہ دشمن بن کر پولیس کو اس کی موجودگی کی اطلاع دی۔ اس نے لڑکی سے نفرت نہیں کی کیونکہ نفرت کرنے کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ پھر بھی وہ چاہتی ہے کہ کوئی اس سے نفرت کرے اور اسے مارڈالے۔

مکان کی مالکہ سے بھی کئی بار راہ چلتے سامنا ہو چکا ہے۔ اس عورت نے بھی اسے ہمدردی سے دیکھا ہے اور سر جھکا کر گزر گئی ہے۔ ایک بار اس نے ذرا رک کر لڑکی سے کہا تھا۔

"بیٹی! میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو مگر تمہیں دیکھ کر مجھے اپنی ایک کرائے دار لڑکی یاد آجاتی ہے۔ ایک رات اس کے چہرے کو بھی ایک کیڑے نے کاٹ لیا تھا اور وہ اپنا چہرہ چھپانے کے لئے اس روز برقعہ پہن کر باہر نکلی تھی............ آہ بیچاری!"

اس کے بعد پھر مکان کی مالکہ سے ملاقات نہیں ہوئی اور اس کے دل میں یہی خواہش پیدا ہوئی کہ وہ مرجائے۔ مگر اجنبی کا پیار اسے زندہ رہنے پر مجبور کر رہا ہے۔

وہ مجبور ہے۔ زندہ ہے اور رو رہی ہے۔ عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر یہ برداشت نہیں کرتی کہ کوئی اس کے چہرے سے اسے نہ پہچانے۔ جو جنم لے کر اس دنیا میں آئی تھی' وہ جنم بدل جائے' عین شباب کے عالم میں چہرہ بدل جائے اور جب اس کا محبوب چہرے کے گلاب کو ہاتھوں میں لے کر پیار کرے تو اس گلاب میں چھپے ہوئے کانٹے بھی چبھتے رہیں۔

اسی لئے وہ آئینے کے سامنے بیٹھی ہے۔ چہرے کو دیکھ رہی ہے' رو رہی ہے اور اپنی زندگی کا حساب کر رہی ہے۔

اس کے پیچھے کمرے کا دروازہ کھلتا ہے جانے پہچانے قدموں کی آہٹیں سنائی دیتی ہیں۔ وہ جلدی سے آنسو چھپانے کے لئے اپنے آنچل سے آنکھیں پونچھ رہی ہے۔ مگر وہ دیکھ چکا ہے اور سمجھ چکا ہے۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا اس کے قریب آرہا ہے۔ لڑکی سر جھکا کر آنسو بھری آنکھوں کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا ہے اور بڑی محبت سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا ہے۔

"تمہاری آنکھیں روتی ہیں' میرا دل روتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر تمہارے دل پر چرکے لگے ہیں۔"

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"کوئی بات ضرور ہے۔ مجھے بتاؤ' آج اتنے دنوں کے بعد پھر تمہاری آنکھوں میں آنسو کیسے آگئے؟"

"میں............ میں کیا بتاؤں............ میں وہ............ وہ گلی سے گزر رہی تھی۔ وہ سب تالیاں بجا بجا کر ہنسنے لگے اور مجھے چڑیل کہنے لگے۔"

"کون تھے وہ بدمعاش؟ میں ان کا خون پی جاؤں گا۔ ایک ایک کی زبان کھینچ لوں گا............"

وہ پلٹ کر جانا چاہتا ہے۔ لڑکی آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی ہے۔

"چھوڑو............ چھوڑ دو مجھے............ تمہارا مذاق اڑانے والوں کو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"نہیں............ انہیں کچھ نہ کہو۔ وہ نادان ہیں' وہ بچے ہیں۔ وہ ہر عجیب وغریب چیز کو دیکھ کر تالیاں بجاتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے ہیں کہ کسی کے دل کو کیسے ٹھیس پہنچتی ہے۔ میں نادان تھی کہ ان کی بات کا برا مان گئی اور رونے لگی۔ یہ دیکھو' اب میں نہیں رو رہی ہوں۔ میں ہنس رہی ہوں۔ ہاہاہا............ ہاہاہا............"

وہ ہنس رہی ہے' اس کی ہنسی میں بھی آنسو چھپے ہوئے ہیں۔ اجنبی تڑپ کر اسے سینے سے لگاتا ہے' اسے چومتا ہے اور اسے بازوؤں میں اٹھا کر کہتا ہے۔

"تم احساسِ کمتری میں مبتلا ہو تم سمجھتی ہو کہ تم خوبصورت نہیں ہو لیکن میرے دل سے پوچھو کہ تم کتنی حسین ہو۔ کیا تم نے کبھی میری محبت اور توجہ میں کمی محسوس کی ہے؟"

وہ بڑی عقیدت سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر لپٹ جاتی ہے۔ اپنی خاموش اداؤں سے اعتراف کرتی ہے کہ اس کا محبوب اسے دیوانہ وار چاہتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے اسے پیار کرتا ہے۔

اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اس کی ہر خواہش پوری ہو رہی ہے۔ ایک پیار کرنے والا خاوند ہے' ایک گھر کی جنت ہے' محبت ہے اور مسرتیں ہیں۔ سب کچھ

ہے............ مگر عورت چہرے کے بغیر کبھی خوش نہیں رہتی۔

اس دنیا کا ہر فرد تاش کا ایک پتہ ہے۔ وہ بھی ایک ایسا پتہ ہے جس کے حسن کا کونہ مڑ گیا ہے۔ اس کا محبوب لاکھ اسے آغوش میں لے کر چومتا رہے مگر وہ تقدیر کی نوسربازی پر کڑھتی رہے گی۔

☆======ختم شد======☆